إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا

مجلس مرکزیہ انصار اللہ کا ترجمان

الفرقان

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

جلد ۳ | بابت ماہ مئی، جون ۱۹۵۳ء | عدد ۵، ۶

ہر ماہ کی ۲۰ بیس تاریخ کو شایع ہوتا ہے

سالانہ چندہ
پانچ روپے

مقام اشاعت
احمد نگر ضلع جھنگ
پاکستان

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین!

معذرت

کاغذ کی نایابی اور غیر معمولی گرانی کے باعث مجبوراً یہ نمبر بھی کم صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے۔ جناب پیپر کنٹرولر صاحب کراچی سے رسالہ کیلئے کاغذ کے کوٹہ کی درخواست کی ہوئی ہے منظوری ملنے پر کاغذ دستیاب ہو سکیگا اور رسالہ پورے صفحات پر شائع ہوگا انشاء اللہ۔ توقع ہے کہ جولائی کے نمبر تک کوٹہ مل جائے گا۔

یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حالات کے نامساعد ہونے کے باوجود بھی رسالہ کم و بیش صفحات پر ہر ماہ بیس تاریخ کو ڈاکخانہ میں دیدیا جائے۔ ماہِ جولائی کا الفرقان انشاء اللہ ۲۰ جولائی کو روانہ ہوگا۔ اس میں بعض اہم مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

مینیجر الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الفرقان

جلد ۳ | مئی، جون ۱۹۵۳ء | نمبر ۵، ۶

قرآن مجید سمجھنے کیلئے دس شرائط اور اصول

اوّل :- قرآن مجید خدائے قدوس کا کامل کلام ہے۔ اسکے حقائق و معارف سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان پاک نیت، پاک دل اور پاک عمل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ صوفیاء نے تلاوتِ قرآن مجید کے لئے ظاہری وضوء کو بھی پسندیدہ قرار دیا ہے۔

دوم :- قرآن مجید بحیثیتِ مجموعی ایک کامل کلام ہے اس میں کسی قسم کا تخالف یا تضاد نہیں اسلئے اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مخالف ہو۔ حدیث نبوی میں ہے اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ پس تفسیر القرآن بالقرآن ہی صحیح ترین تفسیر ہے۔

سوم :- قرآن مجید کا نزول قلبِ مطہر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ اور آپ کو تعمیلِ احکامِ شریعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ مقرر فرمایا ہے لہذا قرآن مجید کی وہ تفسیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا آپ کی سنت سے ثابت ہو جائے اس کے صحیح اور مرجح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

چہارم :- قرآن مجید بوجہ کامل اور جامع شریعت ہونے کے اُمّ الالسنۃ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ اسلئے اس کے فہم کے لئے عربی زبان کا جاننا اور اس کے اسلوبِ بیان سے پوری واقفیت حاصل کرنا لازمی ہے۔ ورنہ ع زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمے دانم والی بات ہو جاتی ہے۔

پنجم :- قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا قول ہے اور قانونِ قدرت اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ خدائے حکیم کے قول و فعل میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اختلاف کی صورت میں ماننا پڑے گا کہ یا تو ہم نے اس کے قول کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور یا پھر اسکے فعل کو درست طور پر نہیں سمجھا۔ دونوں میں بہرحال تطبیق ضروری ہے اسلئے خدا تعالیٰ کے قانونِ شریعت (قرآن مجید) اور اس کے قانونِ قدرت (حقیقی سائنس) میں کامل تطابق ہونا لازمی ہے۔ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔

ششم :- قرآن مجید کا دائرہ نسلِ انسانی کی بقاء اور قیامت تک وسیع ہے۔ اس میں سارے انسانوں کی ساری روحانی ضروریات کا حل موجود ہے۔ جس طرح اس

زمین میں سے انسانوں کے لئے نئے نئے مواد پیدا ہو رہے ہیں اور نئے نئے زمینی علوم ایجاد ہو رہے ہیں اسی طرح تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے مصداق قرآن مجید سے ہمیشہ نئے نئے روحانی علوم پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور انسان کی نئی سے نئی مشکل کا حل اسی قرآن مجید سے نکلتا رہے گا۔ اسلئے مفسرین کا پورا احترام کرنے کے باوجود تفسیر قرآن مجید کے بارے میں ان میں سے کسی کا قول تفسیر کی نہایت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نئے اجتہاد نئے تدبر اور نئے روحانی غور و خوض کے لئے علوم قرآنیہ میں بے پناہ وسعت موجود ہے۔ قرآن مجید تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا کے مطابق وہ شجرۂ طیبہ ہے جو ہمیشہ تازہ اور شیریں پھل دیتا ہے۔

ہفتم :- قرآن مجید کی تلاوت اسی صورت میں مثمر ثمراتِ شیریں ہو سکتی ہے جبکہ پڑھنے والا اس نیت سے پڑھے کہ میں نے اپنے خیالات اور عقائد کو قرآن مجید کے تابع کرنا ہے جو اس سے ثابت ہوگا اُسے ماننا ہے۔ یہ نہیں کہ کچھ خیالات اور عقائد کو پہلے اپنا کر آیاتِ قرآنی کو اُن کے تابع بنانے کی کوشش کی جائے۔ مؤخر الذکر صورت میں انسان قرآن مجید کے فیوض سے محروم رہ جاتا ہے اور اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔

ہشتم :- قرآن مجید کی آیات دو طرح پر ہیں محکمات متشابہات۔ اور کامل کتاب کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا۔ فہم قرآن کے لئے لازمی ہے کہ انسان متشابہات کو محکمات کے تابع کرے یعنی متشابہات کو محکمات کی روشنی میں حل کرے۔

نہم :- قرآن مجید مستند بالذات ہے وہ اپنی صحت اور اپنے بیان کی سچائی کے لئے کسی دوسری کتاب کے بیان یا روایت کا محتاج نہیں۔ قرآنی بیانات اپنی ذات میں مستقل صداقت ہیں اسلئے قرآنی بیان کو تورات و انجیل یا دیگر کتب کے تابع نہ کیا جائے گا اور نہ ہی قرآن مجید کو کتب سابقہ کے محرّف بیانات کا پابند کیا جائے گا حقیقت یہ ہے کہ سابقہ روایات و بیانات اپنی صداقت ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کے محتاج ہیں بلکہ قرآن مجید کے بعد کا ہر قول یا ہر حدیث بھی قرآنی تصدیق کی محتاج ہے۔ پس قرآن مجید ہی ہر سابق و لاحق بیان کی شناخت کے لئے محک اور کسوٹی ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔

دہم :- اگرچہ یہ درست ہے کہ ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ تو قرآن مجید کا فہم بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین سید المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا کہ آپ ہمیشہ مجھ سے زیادتی علم کے لئے دعا کرتے رہیں۔ پس فہم قرآن کا آخری اور اصل الاصول ذریعہ منحصر دعا ہے۔ قرآن کی تلاوت سے پہلے بھی اور ہر وقت اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ انسانی علم میں ہر لحظہ اضافہ ہو سکتا ہے قرآن مجید بے پایاں علم کا خزانہ ہے اور اس خزانہ کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف

فضائل القرآن

قرآن مجید کا بے نظیر اسلوب!

دیگر تمام الہامی کتابیں اس اسلوب سے قاصر ہیں!

(۱)

اللہ تعالیٰ کی ہستی مذہب کی بنیاد اور اصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وجود ہی مشتبہ ہو تو مذہب کی ضرورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب منزل مقصود ہی کوئی نہیں تو راستے کی تلاش اور جستجو عبث ہے۔ کامل الہامی کتاب کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسان کو ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں صاف اور واضح یقین پر قائم کرے، اسے ایسی بصیرت بخشے جس کے بعد اس کے پائے ثبات میں کوئی جنبش پیدا نہ ہو۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (سورۃ یوسف) کہ اے رسول! تو کہہ دے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اور میرے متبعین بصیرت اور یقینِ تام پر قائم ہیں اور اسی بناء پر ہم دعوت الی اللہ دیتے ہیں۔

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ جملہ الہامی کتابیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین دلاتی رہی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ کام نہ کرتیں تو ان کے بھیجے جانے کا مقصد ہی کیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ سابقہ کتابوں کا واسطہ نسلِ انسانی کے محدود اور ابتدائی حصہ سے تھا اسلئے اُن کا طریقِ خطاب خاص نوعیت پر مشتمل تھا۔ پھر ان کے محدود الزمان ہونے کے باعث وہ خطاب اپنے کمال تک نہیں پہنچا۔ مگر قرآن مجید کے کامل اور جامع کتاب ہونے کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس نے ہر مضمون کو کامل اور جامع اسلوب میں بیان کیا ہے اور انسانی فطرتوں کے تفاوت کے باعث اس اسلوب کے مختلف پہلوؤں کو متعدد مقامات پر پھیلا دیا ہے تا ہر فطرت اپنی اپنی مناسبت کے مطابق تاثر قبول کرے۔ اس میں منطقی طبائع کے لئے عالمانہ استدلال بھی موجود ہے۔ اس میں سادہ انسانوں کے لئے سیدھے سادے اور واضح اصول بھی موجود ہیں۔ اس میں جذبات آفریں انداز بھی ہے اور دماغ اور عقل کے لئے اطمینان بخش اسلوب بھی موجود ہے۔ غرض انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں کی تسلی کے سامان پائے جاتے ہیں اور یہ بات بجائے خود قرآن مجید کی ایک عظیم الشان فضیلت ہے۔ قرآن مجید اس پہلو سے بھی تمام الہامی کتابوں میں ممتاز ہے۔ ہم نے اسکے ہر مضمون کو اس نظر سے دیکھا تو اسے یکتا اور بے مثل پایا ہے۔ ہستی باری تعالیٰ سے لیکر تمدنی، اقتصادی، اخلاقی اور سیاسی مسائل کی ہر جزئی تک اس کا اندازِ بیان غیر معمولی جاذبیت پر مشتمل اور بے نظیر مؤثر اسلوب ہے۔ ہم دوسری کتابوں پر کسی قسم کا حملہ نہیں کرتے۔ ہم ان کے الہامی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی یہ دلکشی اور اس کا یہ اندازِ بیان اسقدر دلربا ہے کہ دل بیساختہ اسکی برتری اور افضلیت کا اقرار کرتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ مذاہب عالم کا بنیادی اور مرکزی مسئلہ ہے۔ کچھ لوگ سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور کچھ لوگ

اسکے وجود کے تو قائل ہیں مگر اسکی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شان قائم نہیں رہتی۔ مثلاً وہ اسکے ساتھ اور دوسری چیزوں کو اس کا شریک گردانتے ہیں۔ پتھروں، درختوں، جانوروں اور انسانوں کو معبود قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے نہایت لطیف اور دل میں اُتر جانیوالے انداز میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت بیان کیا ہے اور دوسری طرف اسکی توحید اور یکتائی کو ہر قسم کے عقلی و نقلی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے۔ ذیل میں ہستی باری تعالیٰ کے بارے میں قرآنی اسلوب کے **صرف چار نمونے** درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) عام قانونِ قدرت یا تصوّرِ کائنات قرآن مجید نے مخلوق کی تمام جزئیات کی طرف انسان کو توجہ دلائی ہے۔ اس نے زمین کی بناوٹ اور اسکی تمام محتویات اور اسکے نظام کو اللہ تعالیٰ کے وجود پر گواہ ٹھہرایا۔ سبزیاں، پھل اور چارہ جات غرض جملہ نباتات کی طرف انسان کی نظر پھیری ہے۔ آسمان، اسکے اجرام اور انکے محکم نظام کی طرف انسان کی توجہ مبذول کی ہے۔ ہواؤں کی گردش، سمندروں اور دریاؤں کے پانیوں، ان میں کشتیوں کے چلنے، بارشوں کے برسنے اور پھر انسانی پیدائش کے پُرحکمت اور عمیق در عمیق نظام کی طرف انسان کی نگاہ پھیری ہے۔ اور بار بار اور مختلف پیرایوں میں کائنات کے ذرہ ذرہ میں ربط و نظام کے وجود کو ثابت کر کے اسے ایک برتر اور حکیم ہستی کی تخلیق کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:۔ "آسمان اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں یا انکے کم و بیش ہونے میں، ان کشتیوں میں جو دریاؤں اور سمندروں میں نفع رساں چیزیں لیکر چلتی ہیں، ان بارشوں میں جو اللہ بادلوں سے برساتا ہے اور انکے ذریعہ زمین کو اسکے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جانداروں کے پھیلنے کے سامان کرتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، آسمان و زمین کے درمیان بے مزد کام کرنیوالے بادلوں میں اہل عقل لوگوں کیلئے بیشمار آیات و دلائل موجود ہیں"۔

قرآن مجید کی اس ایک آیت پر غور کرنے سے اسکے زبردست اسلوبِ بیان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو ہستی باری تعالیٰ پر گواہ ٹھہرایا ہے۔ اس قسم کی بیسیوں آیات اس موضوع پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ کائنات کا یہ زبردست نظام ایک علیم و خبیر ہستی کے وجود پر شاہدِ ناطق ہے۔ غرض کائنات کا وجود اپنی پُرحکمت ترتیب کے ذریعہ خالقِ کائنات کے وجود پر ایک محکم دلیل ہے۔

(۲) شہادتِ فطرت اور خاص قانونِ قدرت انسانوں کا ایک بڑا حصہ عام قانونِ قدرت یا کائنات کے عام تصور سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ سالہا سال تک آسمان کے نظام پر تدبر کی نگاہ نہیں ڈالتے وہ مدتوں زمین پر بسنے کے باوجود اسکے خزائن اور اسکے پہاڑوں اور دریاؤں پر غور کی نظر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف آیت ۱۰۵) کہ آسمان و زمین میں بے انت نشانات و دلائل ہیں جن پر سے منکرین منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

اسلئے انسانوں کو متوجہ کرنے کیلئے کائنات میں خاص قانونِ قدرت جاری ہوتے ہیں معمولی ہوائیں آندھیوں اور طوفانوں سے بدل جاتی ہیں زمین کی پُرراحت حرکت زلزلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آرام دہ بارشیں ہلاکت خیز طغیانیوں کی صورت میں بدل جاتی ہیں آسمانوں میں بجلیوں کا

طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی بارشیں رک جاتی ہیں امساکِ باراں قحط کی صورت میں عذاب بن جاتا ہے۔ غرض کائنات کا عام نظام جب خاص شکل اختیار کرتا ہے تو غافل انسان بھی بیدار ہو جاتے ہیں اور خدائے واحد کی قدرت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ انسانی فطرت کی آواز ہوتی ہے یہی فطرت جسے دنیا کی آلائشوں کی راکھ نے دبا دیا تھا اب اسے زلزلہ، قحط اور طوفان کی آندھیوں نے صاف کر دیا ہے اور جو انسان روزمرہ کے عام قانونِ قدرت پر نظر غائر ڈالنے کیلئے آمادہ نہ ہوتا تھا اب خاص قانونِ قدرت کے سامنے اپنے آپکو بےبس پاتا ہے اور بےساختہ ایک عظیم الشان اور بالا ہستی کا اقرار کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس خاص قانونِ قدرت کے مختلف مناظر کا نقشہ نہایت لطیف پیرایہ میں کھینچا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ (یونس آیت ۲۳)

ترجمہ۔ کہ اللہ ہی تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب تم لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہو اور نہایت خوشگوار ہوا خراماں خراماں ان کشتیوں کو چلا رہی ہوتی ہے اور کشتی کے سوار شاداں فرحاں ہوتے ہیں اچانک تند ہوا چلنے لگتی ہے اور ہر طرف سے لہر اٹھنی شروع ہو جاتی ہے تب وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہر طرف سے گھر گئے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ دعا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس مرتبہ نجات دیدے تو ہم ہمیشہ کیلئے تیرے شکرگزار بندے بنکر رہیں گے"۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسے تصور پیش کئے گئے ہیں جن میں انسانی فطرت پکار اٹھتی ہے کہ اس کون و مکان کا ایک خالق ہے اور وہی اس مصیبت میں انسانوں کی دستگیری فرما سکتا ہے۔

(۳) شہادتِ انبیاء قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک زبردست دلیل انبیائے عالم کے وجود کو پیش فرمایا ہے۔ قرآن مجید مانتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم، دنیا کے ہر ملک اور دنیا کے ہر خطہ میں نبی گذرے ہیں۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ اور یہ سارے نبی پیغامبر اور رسول قوموں، ملکوں اور زمانوں کے اختلاف کے باوجود اس بات پر متفق اور متحد ہیں کہ ایک خدا ہے، اسی نے ہمیں بھیجا ہے اور وہی ہم پر وحی نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل آیت ۳۶) کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں اور وہ سب یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی سے اجتناب کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ کے وجود پر جملہ نبیوں کا اتفاق ہے۔ انکی شہادت اس بارے میں متحد ہے۔ یہ شہادت ان لوگوں کی ہے جنکی سچائی اور دیانتداری پر انکی قومیں گواہ تھیں۔ جنکی پاکیزہ زندگیاں دوست و دشمن کو مسلّم تھیں۔ پھر یہ شہادت اتنی مضبوط اور یقینی ہے کہ اس کی ادائیگی میں صدہا مقدسوں نے اپنی جانیں دیدیں اور اپنے خون کی سرخی سے اسکی سچائی پر مہر کر دی۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر صدہا راستباز مختلف قوموں، مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں شہادت دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ عالم ہے کہ بت پرستی کی حمایت میں ایک بھی ایسی شہادت نہیں۔ ایک حق پرست کا قول اللہ تعالیٰ نقل فرماتا ہے لاجرم ان ما تدعوننی الیہ لیس له دعوة فی الدنیا ولا فی الآخرة وان مردنا الی الله وان المسرفین هم اصحاب النار (المؤمن آیت ۴۳) کہ لوگو! تم مجھے ان بتوں کی پوجا کی طرف بلاتے ہو جن کے لئے دنیا و آخرت میں کوئی دعوت نہیں، ان کا کوئی منادی نہیں اور

وہ کسی کی دعا کو قبول نہیں کر سکتے۔ ہم نے انجام کار اللہ ہی کی طرف جانا ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے جہنمی ہوں گے۔

غرض معبودانِ باطلہ کے لئے کسی دعوت کا نہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر جملہ نبیوں کی متفقہ شہادت کا ہونا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

(۴) زندہ الہام کی گواہی قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بیرونی شہادتوں کے علاوہ خود اسکے وجود کو بھی دلیل قرار دیا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا زندہ کلام ہر زمانہ میں اسکے الحیّ القیّوم ہونے پر شاہدِ ناطق ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل بچھڑے کو معبود قرار دینے میں غلطی پر تھے اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا (اعراف آیت ۱۴۹) کیا ان کو نظر نہ آتا تھا کہ وہ بچھڑا ان سے کلام کرتا تھا اور نہ ہی انہیں راہِ حق کی طرف ہدایت دیتا تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک معبود برحق کیلئے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہونا شرط ہے۔ اور جس میں یہ شرط نہ پائی جائے اسے برحق معبود قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن مجید اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا زندہ کلام ہر زمانے میں جاری ہے۔ یہ کہنا کہ خدا کا الہام آگے نہیں ہے پیچھے رہ گیا ہے قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سچا ایمان لانیوالوں کے متعلق فرماتا ہے (۱) لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○

(یونس آیت ۶۴)

ترجمہ۔ ان کو اس زندگی میں اور اگلی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ملیں گی اور یہ انعام کبھی بدل نہیں سکتا۔ کلماتِ الٰہیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مومنوں کے لئے یہ بڑی کامیابی ہے۔"

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰم السجدۃ آیت ۳۰-۳۱)

ترجمہ۔ یقیناً اللہ کو اپنا رب ماننے والوں اور اس پر پوری استقامت سے قائم رہنے والوں پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ تم کوئی خوف و حزن نہ کرو بلکہ اس جنت پر خوش ہو جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ ہم اس زندگی میں بھی تمہارے دوست اور مددگار ہیں اور اگلے جہان میں بھی مددگار ہونگے۔ تم جنت میں جو چاہو گے حاصل کرو گے اور جو طلب کرو گے اسے حاضر پاؤ گے۔"

قرآن مجید کی ان آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود پر تازہ الہام اور زندہ وحی سے شہادت قائم کرتا ہے تا کسی زمانہ میں منکرینِ ذاتِ باری یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر خدا موجود ہوتا تو ضرور اپنے کسی پیارے سے کلام کرتا۔ اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدا سے ہمکلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ ایسے مقدسوں کا وجود ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے اور دوسری طرف اسلام کو زندہ مذہب اور قرآن مجید کو زندہ کتاب ثابت کرتا ہے۔

ہم نے ہستی باری تعالےٰ کے موضوع پر اسلوبِ قرآن کے صرف چار نمونے ذکر کئے ہیں ورنہ قرآن مجید کے ہر صفحہ پر یہ مضمون موتیوں کی طرح بکھرا پڑا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

کیا سچ مچ اُمتِ محمدیہ کو مسیح کی ضرورت نہیں؟

"طلوعِ اسلام" والے علامہ اقبال کی مخالفت پر بھی کمربستہ ہو گئے!

رسالہ "طلوع اسلام" کراچی لکھتا ہے کہ:۔

"سُنا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے امیر حبیب اللہ مرحوم والیٔ افغانستان کو اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوت نامہ بھیجا۔ امیر مرحوم نے جواب دیا۔ مرزا صاحب محترم! معاف فرمایئے آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ اب اس کی تلافی کی یہی صورت ہے کہ واپس تشریف لیجایئے اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھیجدیجئے کیونکہ مسلمانانِ عالم اس وقت جس عجز و مسکنت کی حالت میں رہ رہے ہیں اس کا علاج مسیح نہیں عمرؓ ہے۔ مسیحیت کے ساز سے قیصریت زندہ باد کے سوا کوئی نغمہ نہیں نکل سکتا۔ محکوم کے لئے اس کے پاس یہی پیام ہو سکتا ہے کہ محکوم تر ہو کر رہے۔ یہ تھی ایک شاہی دماغ کی رسائی ..... اس وقت ہم امیر افغانستان کے زمانے سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ دُنیا بدل گئی۔ اسلامی ممالک کے حالات بھی بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ اس وقت امیر المومنین عمرؓ کی ضرورت تھی۔ تو آج کی ضروریات تقاضا کر رہی ہیں کہ مسیحیت کے دعویدار واپس تشریف لے جائیں اور ابوذر غفاریؓ کو بھیجدیں۔" (طلوع اسلام جون ۱۹۵۳ء ص ۲)

ہم نہیں جانتے کہ والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ خان نے واقعی یہ جواب دیا تھا یا یہ "طلوعِ اسلام" والوں کی اختراع ہے۔ بہر حال اِس جواب کو "شاہی دماغ کی رسائی" کہہ کر عرشی صاحب نے اسے صحیح قرار دیدیا ہے لیکن اسی وقت یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ اب حالات اتنے بدل چکے ہیں کہ اب حضرت عمرؓ کی بھی ضرورت نہیں اب تو حضرت ابوذر غفاریؓ آنے چاہئیں۔

اِس جگہ سب سے پہلا غور طلب امر یہ ہے کہ قوموں کے امراض کا حقیقی علاج اور صحیح دوا اللہ تعالیٰ تجویز کیا کرتا ہے یا بیمار قومیں خود تجویز کیا کرتی ہیں؟ آدمؑ سے لیکر آج تک سُنّت اللہ کس طرح پر جاری ہے؟ اگر یہ درست ہے کہ کسی قوم کے ادبار و تنزل کو اللہ تعالیٰ بدلا کرتا ہے اور اس کے بدلنے کے لئے وہ خود مناسب طریق اختیار فرمایا کرتا ہے تو یہ بات غیر معقول ہے کہ ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں عمرؓ کی ضرورت ہے عمرؓ کی ضرورت نہیں ابوذر غفاریؓ کی ضرورت ہے۔ اِس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے نہ بندوں کے اختیار میں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر چیں بہ جبیں ہونا مومنانہ شیوہ نہیں۔

دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ قریباً دو ہزار برس قبل یہود پر یہی "عجز و مسکنت" کا دَور آ چکا ہے اللہ تعالیٰ نے انکی اس حالت کی اصلاح کیلئے اسوقت مسیح کو بھیجا تھا کیا اللہ تعالیٰ کا وہ انتخاب غلط ثابت ہوا تھا؟ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں بھی یہودی علماء نے مسیح کی آمد کو بے ضرورت ٹھہرایا تھا اور انکے

امن بخش پیغام کو بے وقت کی راگنی قرار دیا تھا مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ واقعات نے یہودی علماء کے اعتراض کو سطحی، غلط اور بے حقیقت ثابت کر دیا۔ اس وقت کے دنیا داروں نے کہا کہ "مسیحیت کے ساز سے قیصریت زندہ باد کے سوا کوئی نغمہ نہیں نکل سکتا۔" لیکن اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ قیصریت اور غیر قیصریت کے پیدا کردہ جملہ مفاسد اور خرابیوں کا علاج صرف "مسیحیت" میں ہے۔ مسیحیت قیصریت پر غالب آگئی اور قیصر نے مسیح کی غلامی میں فخر محسوس کیا۔ ہمارے نزدیک آج سے انیس سو سال قبل ایسی بات کہنے والے شاید معذور بھی تھے انہوں نے مسیحیت کی تاثیرات کو ہنوز محسوس نہ کیا تھا مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ آج کے مسلمان مسیحیت کے عظیم الشان اثرات کو مشاہدہ کر چکنے کے باوجود یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں وہ بیمار ہیں مگر چلا رہے ہیں کہ ہمارے علاج کیلئے کوئی مسیحا درکار نہیں۔

تیسری بات طلوعِ اسلام کیلئے یہ قابلِ غور ہے کہ وہ علامہ اقبال کی تعریف میں رات دن رطب اللسان رہتا ہے اور انہیں عصرِ حاضر کا بہترین قرآن دان سمجھتا ہے۔ امیر افغانستان کا مذکورہ قول اگر روایتاً درست بھی ہے تب بھی درایۃً غلط ہے کیونکہ قرآن و سنتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلاف ہے۔ اجماعِ امت کے خلاف ہے عقل و تاریخ کے خلاف ہے لیکن اگر ان تمام امور کی طلوعِ اسلام والوں کو پرواہ نہیں تو میں یہ بھی کہتا ہوں کہ امیر افغانستان کا قول ان کے مرشد علامہ اقبال کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

"میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔"

پھر پروفیسر میکنزی کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ اقبال اعلان کرتے ہیں کہ:۔

"ہمیں معلم بھی چاہیئے اور پیغمبر بھی ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک مسیح کی ضرورت ہے۔"

پھر آخر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی ان مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے اور اس شعر میں میں نے اسی کو مخاطب کیا ہے ؎

باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح"

(مکاتیب اقبال جلد ۱ صـ۴۶۰ و صـ۴۶۳)

کیا ان اقتباسات کو درست ماننے والے اقبال کے مداح بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں۔ مسیح موعود واپس تشریف لے آئے یہ ماننا یا نہ ماننا یہ علیحدہ امر ہے مگر کوئی صاحبِ دل انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ زمانہ پکار پکار کر ایک مسیح کی ضرورت کی منادی کر رہا ہے۔ اسی لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے فرمایا ہے ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

نہ ماننے والے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کی نہیں عمرؓ کی ضرورت ہے، عمرؓ کی نہیں ابوذر غفاریؓ کی ضرورت ہے لیکن اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ مسیح عمرؓ سے علیحدہ نہیں، ابوذر غفاریؓ سے الگ نہیں۔ مومن کا کام ہے کہ خدا کی آواز پر لبیک کہے اور اپنے دل کی پاکیزگی کا سامان کرے۔ یہی وہ راہ ہے جس سے پہلے قوموں کا "عجز و مسکنت" دور ہوا اور یہی وہ طریق ہے جس سے اب مسلمانوں کو سربلندی حاصل ہوگی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے خوب فرمایا ہے کہ ؎

اندریں دیں بود آمد عروج اندر نخست
باز مے آید اگر آید ازیں رہ بالیقیں

تفسیر القرآن المجید

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے درس القرآن کے مختصر نوٹ

(۲)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسجد مبارک ربوہ میں ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء سے **درس القرآن المجید** کا آغاز فرمایا ہے۔ یہ درس سورۃ مریم سے شروع ہوا ہے۔ الفرقان اس درس کے ضروری نوٹ مختصر طور پر اپنے الفاظ میں شائع کر رہا ہے۔ یہ ان نوٹوں کی دوسری قسط ہے۔ آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۲ ہجری (۸ جون ۱۹۵۳ء) کو حضور نے سورۃ مریم کا درس مکمل فرمایا ہے اور ہم اس قسط میں اس درس کا ایک حصہ شائع کر رہے ہیں۔ باقی اگلے نمبر میں ملاحظہ فرمائیے ـــــ (ایڈیٹر)

(سُوْرَۃُ مَرْیَمَ ع)

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ تو الکتاب میں مریم کا ذکر کر۔ یا الکتاب میں مریم کے مذکورہ واقعات کو ذہن میں لا۔ اس جگہ الکتاب سے مراد قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے۔ معنے یہ ہوں گے کہ قرآن مجید کے ذریعہ سے مریم کا حال بیان کر۔ الکتاب سے بائیبل بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اندریں صورت بائیبل کی صحیح تاریخ اور غیر محرف صحیفے مراد ہوں گے۔

ربطِ آیات اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وجود حضرت مسیح کے لئے ضروری بلکہ ارہاص تھا۔ اب حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتا ہے کیونکہ یہ بھی حضرت مسیح کے بیان کے لئے بنیادی ہے۔ حضرت مسیح کی بے باپ ولادت اس بات کی علامت تھی کہ اب نبوت بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو رہی ہے۔

نام کی وجہ تسمیہ قرآن مجید نے اُمّ عیسیٰؑ کا نام مریم قرار دیا ہے۔ بائیبل میں مریم نام کا ذکر سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی بہن کے طور پر آیا ہے۔ لفظ مریم کے مختلف معنے کئے گئے ہیں۔ (۱) تلخ سمندر (۲) ستارہ (۳) دن کی ملکہ (۴) ماسٹر کی مُہر (۵) اتھاہ سمندر (۶) دُھند وغیرہ مختلف معنے بیان کئے گئے ہیں۔ عبرانی لفظ کی وضع کے لحاظ سے مریم کے معنے باغیہ یعنی خود سر یا موٹی کے ہوتے ہیں۔ عام طور پر موٹے بچے مشکل سے پیدا ہوتے ہیں شاید اسلئے ایسے بچوں کا نام مریم رکھا جاتا ہو۔ یہودیوں کے ہاں موٹاپا خوبصورتی کا معیار تھا اسلئے خوبصورت بچوں کو مریم کہتے تھے۔

حضرت مریم کے ابتدائی حالاتِ زندگی۔ اناجیل میں حضرت مریم کے خاندان کے ذکر کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ انجیل متی ۱۸/۱ میں حضرت مریم کے

روح القدس سے حاملہ ہونے کے ذکر سے آغاز کیا گیا ہے۔ لوقا نے حضرت مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اس انجیل سے حضرت مریم کا حضرت ذکریاؑ کی بیوی کا رشتہ دار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر حضرت مریم کے خاندان کے حالات وہاں بھی غائب ہیں۔ مرقس اور یوحنا بالکل خاموش ہیں۔ حضرت مریم کی ولادتِ مسیحؑ سے پہلے کی زندگی کا تذکرہ اناجیل میں نہیں ہے۔

قرآن مجید نے حضرت مریم کے خاندان کا ذکر کیا۔ حضرت مریم کی ولادت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ پھر ان **نیک جذبات** کا بھی ذکر کیا ہے جن کے ماتحت حضرت مریم کی والدہ نے انکی پیدائش سے قبل نذر مانی تھی۔ سورۃ آل عمران ع۴ میں ان امور کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں دینی خرابی کا احساس عام تھا لیکن اس کی اصلاح کے معین وقت کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ نے اسی نیک جذبہ کے ماتحت رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا کی نذر مانی تھی لیکن مولود کے لڑکی ہونے پر انہیں اس امید کے پورا نہ ہونے کا افسوس ہوا۔ لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان فرمائے کہ حضرت مریم کی والدہ کی دعا بھی قبول ہوگئی اور مسیحؑ کی ولادت کا وقت بھی نہ ٹلا۔ ان کے قول اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مریم کو صرف دینی تربیت کے لئے پادریوں کے سپرد کیا گیا تھا، نن نہ بنایا گیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ حضرت مریم کی شادی ہو اور ان کے بچے پیدا ہوں جو ان کی اصلاحِ خلائق والی آرزو کو پورا کریں۔

بہر حال قرآن مجید نے تفصیل سے حضرت مریم کے گھرانے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے ابتدائی حالات بھی بتائے ہیں جو حضرت مسیحؑ کے واقعہ سے مربوط ہیں۔

حضرت مریم کے بعد کے حالاتِ زندگی کے متعلق اناجیل اور قرآن کریم کے بیان کا موازنہ

اناجیل سے حضرت مریم کے بعد کے حالات یوں معلوم ہوتے ہیں کہ فرشتہ کی خبر کے بعد یوسف نجار حضرت مریم کو گھر لے آیا۔ حضرت مسیحؑ کی پیدائش تک پاس نہ گیا۔ اس جگہ شادی کا ذکر نہیں ہے۔ (متی ۱/۲۵) نیز ثابت ہے کہ یسوع ماں باپ سے نفور تھا۔ مریم حضرت مسیحؑ کے دعویٰ پر ایمان نہ لائی تھیں۔ یسوع کے بھائی بھی مومن نہ تھے (متی ۱۲/۴۶-۵۰ و مرقس ۳/۳۱-۳۵ و لوقا ۸/۱۹-۲۱)

قرآن مجید حضرت مسیحؑ کے منہ سے کہلواتا ہے وَ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ (مریم) کہ میں تو ماں کا فرمانبردار ہوں۔ ان سے محبت کرنے والا ہوں۔ ان سے پیار کرنے والا ہوں کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت مریم اتنا بڑا نشان دیکھیں کہ کنواری سے یہ مقدس بیٹا پیدا ہو لیکن وہ اس کے دعویٰ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ مریم کو نہایت نیک طینت قرار دیتا ہے فرمایا اَنْبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نہایت عمدہ تربیت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اسے پاک و مطہر بنایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہ حضرت مریم ایک برگزیدہ عورت تھی۔ آیت یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریم مومنہ تھیں۔ قرآن مجید انہیں وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ میں صدیقہ قرار دیتا ہے۔

غور کیا جائے کہ قرآن مجید اور انجیل نے حضرت مریم کا

مرتبہ اور مقام کتنا مختلف بیان فرمایا ہے۔ انجیل نے تو حضرت مریمؑ کو کافرہ قرار دیدیا۔ گویا حضرت مریمؑ کی صحیح تاریخ دنیا سے غائب ہوگئی۔ اسی لئے قرآن مجید نے جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تو فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ کہ یہ وہ حقائق ہیں جو انجیل نے مخفی کر دیئے ہیں۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا یاد کرو جب مریمؑ اپنے رشتہ داروں سے علیحدہ مکان شرقی میں ایک طرف ہوگئی۔

یہود کی بڑی عبادت گاہ یروشلم میں تھی۔ حضرت مریمؑ کو دینی تربیت کے لئے حضرت زکریاؑ کے پاس یروشلم میں چھوڑا گیا تھا۔ جب حضرت مریمؑ جوان ہوئیں تو ناصرہ بستی میں گئیں۔ مِنْ اَهْلِهَا سے حضرت مریمؑ کے ناصرہ والے اہل ہی مراد ہیں۔

مَكَانًا شَرْقِيًّا بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ کے ساتھ یہ واقعہ یا کشف ناصرہ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ (لوقا باب اوّل)۔ ناصرہ یروشلم سے جانب شمال واقع ہے۔ گو بائیبل کی تاریخ معتبر نہیں مگر اس کو رد کرنے کے لئے کسی نقلی یا عقلی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے مفسرین نے بالعموم لکھا ہے کہ حضرت مریمؑ کسی مشرقی نہر کی طرف گئی تھیں۔ عربی زبان کے رو سے مکان شرقی کے تین معنے ہو سکتے ہیں (۱) کلّ مکانٍ فی جهة الشرق (۲) المنسوب الی الشرق (۳) کلّ ما اتجه الی الشرق یعنی جانب مشرق والا مکان بھی مکان شرقی ہے۔ مشرق کی طرف منسوب ہو تو یہ مکان بھی مکان شرقی ہے اور جس مکان کا رُخ یا مُنہ مشرق کی طرف ہو وہ بھی مکاناً شرقیاً کہلائے گا۔ اس آیت میں مکاناً شرقیاً سے مراد وہ مکان ہے جس کا رُخ یا مُنہ مشرق کی طرف تھا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہود کے نزدیک مشرق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بابلی بھی مشرق کو متبرک سمجھتے تھے۔ مشرق کو روشنی کا دروازہ مانتے تھے اور مغرب کو مُردوں کی دُنیا خیال کرتے تھے۔ یہودی خیالات بابلیوں سے بھی متاثر تھے۔ تورات میں جنت آدم کو "**عدن میں پورب کی طرف ایک باغ**" قرار دیا ہے (پیدائش ۲/۸) پھر لکھا ہے "روح مجھ کو اُٹھا کے خدا کے گھر کے **پوربی دروازے** پر جس کا رُخ **پورب کی طرف** ہے لے گئی" (حزقیل ۱۱/۱) بائیبل میں یعقوب کے گھرانے سے ایک ستارے کے نکلنے کی پیشگوئی تھی (گنتی ۲۴/۱۷) یہودی روایات کے مطابق یہ ستارہ مشرق کی طرف سے نکلنے والا تھا اسی لئے مجوسی یہ کہتے ہوئے آئے کہ ہم نے یہودیوں کے بادشاہ کا **پورب میں** ستارہ دیکھا ہے (متی ۲/۲)

پس یہود و نصاریٰ کے نزدیک مشرق کا خاص لحاظ کیا جاتا تھا۔ وہ عبادتگاہوں کے دروازے مشرق کی طرف بناتے تھے۔ بلکہ ان کے بعض فرقے عبادت کرتے وقت مشرق کی طرف مُنہ کیا کرتے تھے۔

حضرت مریمؑ نے مکان شرقی کو عبادت کے لئے انتخاب کیا تھا یا یہ عبادت گاہ تھی جس کا رُخ مشرق کی طرف تھا۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا حضرت مریمؑ نے عبادت کے لئے پردہ بنا لیا۔ یہود کے ہاں خیمہ گاہ میں عبادت کی جاتی تھی۔ عبادت کرتے وقت انسان میں طبعاً حجاب ہوتا ہی حضرت مریمؑ نے عبادت گاہ میں جا کر پردہ کھینچ لیا تاکہ تنہائی میں عبادت کر سکیں۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا ہم نے مریم کی طرف اپنی روح بھیجی۔ رُوح کے معنے چار ہیں۔ (۱) کلام و وحی الٰہی (۲) [illegible]

کا ذریعہ (۳) نبوت (۴) جبرئیل۔ اس آیت میں کلام الٰہی یا کلام الٰہی لانے والے فرشتے کے معنے ہیں۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا وہ کلام الٰہی حضرت مریمؑ کے لئے مثالی جسم بن گیا۔ تصویری جسم بن گیا۔ اس نے تمثیلی شکل اختیار کر لی۔ بَشَرًا سَوِيًّا کے معنے کامل یا تندرست انسان کے ہیں۔

کلام الٰہی مختلف شکلوں میں نازل ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کلام الٰہی لانے والے فرشتے نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ یہ غیر معمولی بات نہ تھی خدا کے بندوں کو کثرت سے یہ باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس جگہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کو یہ وحی کشف کی شکل میں ہوئی تھی۔

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝ مریمؑ نے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں۔

اس جگہ لفظ الرحمٰن سے بھی عیسائیت کی تردید مطلوب ہے کیونکہ کفارہ کے معتقد لوگ اللہ تعالیٰ کے بلا معاوضہ رحم کے قائل نہیں۔ عیسائیت اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کی منکر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ اس کشفی نظارہ کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔ خدائے رحمان سے یہ خطاب اور یہ اندازِ دعا حضرت مریمؑ کی انتہائی بے بسی پر دلالت کرتا ہے۔ گویا یہ کہا کہ اے رحمان خدا! میرے عمل کو نہ دیکھ مجھے اپنی رحمانیت کے صدقہ میں بچا لے۔ یہ کرب و بلا کی دعا کی حقیقت بیان کی ہے۔

إِن كُنتَ تَقِيًّا اسلئے کہا ہے کیونکہ متقی ہی خدا کے واسطے سے ڈرتا ہے ورنہ دوسرے لوگ خدا کے واسطہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ گویا إِن كُنتَ تَقِيًّا میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ادب بھی ملحوظ ہے۔ یہ دعا کا نہایت لطیف طریق ہے۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ اس نے کہا کہ میں تو تیرے رب کی طرف سے صرف ایک پیغامبر ہوں تاکہ تجھے ایک زکی غلام (اندرونی پاکیزگی والے لڑکے) کی بشارت دوں۔ اس جگہ فرشتہ نے لفظ رسول کہا ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ وہ حضرت مریمؑ کو ایک پیغام دینے آیا تھا۔ خوشخبری پہنچانا اس کا کام تھا۔ لفظ "رَسُولُ رَبِّكِ" سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو خیال کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا خاوند تھا۔

لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ تا میں تجھے پاکیزہ بچے کے ہونے کی یقینی خبر دوں۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ یقینی بات کو قطعی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس جگہ لِأَهَبَ لَكِ اس یقینی بات کے اظہار کے لئے آیا ہے یعنی یہ پیشگوئی اتنی یقینی اور قطعی ہے کہ گویا یوں سمجھا جائے کہ میں بیٹا دینے آیا ہوں۔

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ حضرت مریمؑ نے اس پیشگوئی کو سن کر حیرت اور تعجب کا بے ساختہ اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ غلام سے مراد اس جگہ بچہ ہے۔ حضرت مریمؑ کہتی ہیں کہ کسی مرد نے مجھے نہیں چھوا اور نہ ہی ناجائز طور پر میں حد سے تجاوز کرنے والی یا بدکار ہوں۔ بَغَتِ الْمَرْأَةُ کے معنے ارتکاب بدی کے ہوتے ہیں۔ گویا اس طرح بچے کی ولادت کو وہ محال سمجھتی ہیں۔ یہ فقرے حضرت مریمؑ نے یا تو ظاہری طور پر کہے ہیں اور آپ اس شخص کو کہتی ہیں کہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اور یا فقرات عالم کشف میں کہے گئے ہیں۔ رؤیا کی صورت میں ان کے قلب پر یہ اثر ہے کہ یہ ولادت بن باپ ہونے والی ہے۔

قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۝ اس نے

جواب دیا کہ ٹھیک ہے بات یونہی ہے۔ یہ ولادت بے باپ ہی ہوگی۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا مجھ پر آسان ہے۔

لفظ هَیِّنٌ تقابل کے لئے نہیں آیا بلکہ یہ بتانے کیلئے آیا ہے کہ اگرچہ بن باپ ولادت بظاہر ناممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے هَیِّن ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج لِنَجْعَلَهٗ پر جو لام آتا ہے یہ لام عاقبت کہلاتا ہے

اس کے معنے یہ ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہمارے اِس فعل کے نتیجہ میں لوگوں کے لئے آیت بن جائے گا اور اس کا وجود ہماری رحمت قرار پائے گا۔

حضرت مسیحؑ کی نبوّت بنی اسرائیل کے لئے رحمت تھی اور ان کی بن باپ ولادت اِس بات کے لئے **آیت** تھی کہ اب آئندہ نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں شروع ہوگا۔

ہر نبی اپنے درجہ میں اٰیَة ہوتا ہے۔ ہم حضرت مسیحؑ کی اہمیت اور ان کی شان کے منکر نہیں لیکن ایسے کسی لفظ کی وجہ سے اُنہیں باقی سب نبیوں بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینے کے لئے تیار نہیں۔ لفظ اٰیَةٌ کا استعمال حضرت حزقیلؑ کے حق میں ہوا ہے۔ فرمایا وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ (بقرہ ع ۳۵) حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے حق میں بھی لفظ اٰیَةً آیا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (اعراف ع ۱۰) فرعون کے بارے میں بھی لفظ اٰیَة وارد ہوا ہے۔ فرمایا لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً (یونس ع ۹) پس لفظ اٰیَة کے استعمال کے معنے یہ ہیں کہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی صداقت نظر آجاتی ہے۔

لفظ رَحْمَةً مِّنَّا بھی حضرت مسیحؑ کی غیر معمولی فضیلت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کو حَنَانًا قرار دیا ہے جو مجسم رحمت کو کہتے ہیں (مریم ع ۱) گویا حضرت مسیحؑ رحمت کا نشان تھے اور حضرت یحییٰؑ مجسم رحمت تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ٹھہرایا ہے۔ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء ع ۷) اِس جگہ العَالَمِین کے لفظ میں سب قومیں خصوصاً بنی اسرائیل شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا مختص الزمان والمکان نہیں ہے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۝ اور یہ امر فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

لفظ قضاء اور قدر حقیقتاً ہم معنی نہیں ہیں۔ قضاء کے معنے کسی امر کا فیصلہ کر دینے کے ہوتے ہیں وہ فیصلہ قولاً ہو یا فعلاً ہو۔ اور پھر قضاء الٰہی بھی ہوتی ہے اور بشری بھی۔ قضاء اللہ کا لفظ قدر اللہ سے اخص ہوتا ہے۔ قدر کا مفہوم سکیم بنانا ہے اور قضاء اس سکیم کے جاری کرنے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اِس موقع پر كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا کے یہ معنے ہیں کہ عام رنگ میں بن باپ بیٹا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے هَیِّن ہے۔ یہ ایک قدر ہے مگر حضرت مریمؑ کے ہاں ایسے بیٹے کے پیدا ہونے کا فیصلہ خدائی قضاء اور اٹل فیصلہ ہے

فَحَمَلَتْهُ خدائی حکم کے ماتحت حضرت مریمؑ کو حمل ہو گیا۔ کس طرح ہوا؟ یہ ایک الٰہی راز ہے عام قانونِ قدرت سے بالا ہے۔ جماعت احمدیہ حضرت مسیحؑ کی بے باپ ولادت کی معتقد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں حضرت مسیحؑ کی بے باپ ولادت کو اپنے عقائد میں سے قرار دیا ہے۔

قیاسی طور پر بھی حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کا ماننا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ تاریخوں میں اس نوع کی ولادت کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں۔ چین کے منچو خاندان کے جدِّ اعلیٰ کی ولادت بن باپ مانی جاتی ہے۔ چنگیز خان کی پیدائش بھی بے باپ بیان ہوئی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں ایسے متعدد واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۝ حضرت مریمؑ اسے لیکر دور مکان میں ایک طرف ہو گئیں۔

بائیبل میں بیان شدہ حالات کے لحاظ سے مَكَانًا قَصِيًّا سے مراد بیت لحم کا مکان ہے۔ وہ ناصرہ کی بستی سے دور تھا۔ حضرت مریمؑ کے اس سفر کے حالات لوقا باب ۲ میں درج ہیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ المخاض کے معنے دردِ زہ، شدید درد کے ہیں۔ پیدائش کے وقت کے قریب آنے کا نام بھی المخاض ہے۔ حضرت مریمؑ کو دردِ زہ کی شدت کھجور کے تنے کے پاس لے آئی۔ جِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے تنے یا بڑی شاخ کو کہتے ہیں۔ اس درخت کے پاس آنے سے انہیں سایہ بھی حاصل ہوا اور سہارا بھی مل گیا۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۝ انہوں نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ یہاں بر نسیا منسیا کا لفظ زور دینے کے لئے آیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ بچہ بے باپ تھا حضرت مریمؑ نے شرم کے باعث یہ فقرے کہے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ماں پہلے بچہ کی ولادت کے وقت شدید تکلیف کے باعث ایسے ہی فقرے کہتی ہے۔ یہ غیر معمولی بات حضرت مریمؑ سے مخصوص نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذکر میں شاید باریک طور پر اس خیال کی تردید ہے کہ حضرت مسیحؑ پیدائش کے وقت روئے نہ تھے، اسلئے صرف وہی مسّ شیطان سے پاک تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ولادت کے وقت مسیحؑ کا نہ رونا غیر طبعی امر ہی یونہی فرضی بات ہے۔ حضرت مریمؑ تو اس تکلیف سے يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا تک پکار اٹھی تھیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۝ حضرت مریمؑ کو اس کے تحت سے آواز آئی کہ تو غمگین نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے کی جانب چشمہ پیدا کر رکھا ہے۔

مفسرین نے تَحْتِهَا سے حضرت مریمؑ کے جسم کا نچلا حصہ مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آواز حضرت مسیحؑ نے پیدا ہو کر دی تھی یا فرشتہ نے دی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی ہے اور بیت اللحم پہاڑی علاقہ ہے۔ شہر سے چند فرلانگ پر پانی ہے جو ڈھلوان کی طرف ہے پس مِنْ تَحْتِهَا کے صاف معنے یہ ہیں کہ حضرت مریمؑ کو تحتانی جانب یا ڈھلوان کی طرف سے آواز آئی۔ اور ادھر سے آواز دینے میں یہ حکمت تھی کہ تا مریمؑ کو معلوم ہو جائے کہ پانی کا چشمہ کدھر ہے۔ ان معنوں میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہے بیت اللحم کی جغرافیائی حالت اس کی تائید کرتی ہے۔ حضرت مریمؑ کو پانی کی ضرورت تھی، اللہ تعالےٰ کے فرشتے نے آواز دیکر انہیں بتا دیا کہ یہاں ڈھلوان میں چشمہ موجود ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ سے مشابہت دی ہو۔ وہاں آبِ زمزم کا انکشاف ہوا تھا اور یہاں پر بھی چشمہ کا پتہ لگا ہے۔ سریًّا کے معنے چلنے والی چیز کے ہیں۔ چشمہ جاری ہوتا ہے اسلئے چشمہ کو بھی سریؔ کہتے ہیں۔ بلند مرتبہ والا بچہ بھی سریؔ کہلاتا ہے۔ گویا یہ خبر دی گئی تھی کہ حضرت مسیحؑ نہایت شاندار انسان ہوں گے۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ تو کھجور کی شاخ کو ہلا وہ تجھ پر عمدہ تازہ کھجوریں گرائے گی۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ج تو کھا پی اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کر۔ حضرت مریمؑ کی ضروریات کو پورا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں کھانے کے لئے کھجوریں عطا فرمائیں اور پینے کے لئے چشمہ کا پتہ دیدیا نیز اس پانی سے بچے کو صاف کر کے انہیں اطمینان حاصل ہوگا۔

اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ پانی کا یہ چشمہ نیچے کی جانب تھا۔

قرآنی بیان کی فضیلت اور حکمت

عیسائی روایات کے مطابق حضرت مسیحؑ کی ولادت ماہ دسمبر میں ہوئی ہے اُس وقت تازہ کھجوریں درختوں کی شاخوں پر نہیں ہوتیں۔ اسلئے عیسائی کہتے ہیں کہ قرآنی بیان درست نہیں۔ اسی لئے ہمارے مفسرین نے جذع النخلة کی طرف آنا صرف سہارا کیلئے قرار دیا ہے اور بعض نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کہ کھجور کے سُوکھے تنے سے کھجوریں گر پڑیں۔

عیسائیوں کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بائیبل کے رُو سے بیت اللحم کا علاقہ کھجوروں کا علاقہ ہے (قاضیوں ۱/۱۶) قرآن مجید نے رُطَبًا جَنِيًّا کہہ کر حضرت مسیحؑ کی ولادت کا زمانہ متعین فرمایا ہے اور انجیلی روایت کی اس بارے میں تغلیط فرمائی ہے۔ عیسائیوں نے بے بنیاد خیال پر حضرت مسیحؑ کی ولادت دسمبر میں قرار دی ہے اور ایک فرقے نے مارچ اپریل میں بتلائی ہے۔ قرآن مجید نے رطبًا جنیًّا کا واقعہ ذکر کر کے بتلا دیا کہ عیسائیوں کا بیان غلط ہے۔ حضرت مسیحؑ کی ولادت ان دنوں ہوئی تھی جب یہودیہ کے علاقہ میں کھجوریں پکی ہوئی تیار تھیں یعنی اگست کے مہینہ کے قریب یہ ولادت ہوئی تھی۔

انجیل لوقا حضرت مریمؑ کا بیت اللحم میں جانا مردم شماری کی وجہ سے بتاتی ہے حالانکہ حضرت مسیحؑ کی ولادت والے سال میں فلسطین میں مردم شماری کا ہونا ہی سرے سے غلط ہے۔ رومی تاریخ سے ثابت ہے کہ مسیحؑ کی پیدائش کے سال میں کوئی مردم شماری نہ ہوئی تھی۔ یوسیفس کہتا ہے کہ مسیحؑ کے ساتویں سال یہ مردم شماری ہوئی تھی۔ لوقا نے گورنر کا جو نام بتایا ہے وہ بھی رومی تاریخ کے مطابق نہیں ہے (انسائیکلو پیڈیا جلد ۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل میں جو مسیحؑ کے ۸۰ سال بعد میں لکھی گئی عمداً غلط روایت درج کی ہے تاکہ خدا کا بیٹا قرار دینے کا افسانہ بنایا جا سکے حقیقت صرف یہ تھی کہ ناصرہ سے یوسف نجار حضرت مریمؑ کو ساتھ لیکر بیت اللحم اسلئے گئے تھے تاکہ انہیں خواہ مخواہ ناصرہ کے لوگوں کی زبانِ طعن کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

انجیلی بیان اور دیگر قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وسط نومبر میں حمل قرار پایا۔ فروری، مارچ میں یوسف بالہام الٰہی حضرت مریمؑ کو گھر لے آئے۔

جب بات نمایاں ہونے لگی تو وہ مئی جون میں انہیں ناصرہ سے

بیت اللحم لے گئے وہاں پر جولائی اگست میں حضرت مسیحؑ کی ولادت ہوئی۔ جب وہ کچھ عرصہ بعد ناصرہ آئے تو دسمبر میں ولادت قرار دیدی گئی اور مردم شماری کا فسانہ بنا کر بات کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔

پس یہ درست ہے کہ قرآن مجید نے رُطَبًا جَنِيًّا کہکر انجیلی روایت کی تردید کی ہے اور حضرت مسیحؑ کی ولادت کا صحیح زمانہ متعین فرمایا ہے۔ رومی تاریخ کے واقعات کے رُو سے بھی قرآنی بیان کی تائید ہوتی ہے لہذا قرآن مجید کے بیان کی فضیلت اور حکمت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ۝ اگر تجھے کوئی نظر آئے تو اُس سے کہدینا کہ میں نے خدا کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے میں آج کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

مفسرین نے اس روزہ سے مراد نہ بولنے کا روزہ لیا ہے اور اکلّم سے مراد کلام لیا ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ کلام سے روزہ بھی ہے اور کلام کا حکم بھی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صوم کے معنے روکنے کے ہوتے ہیں۔ یہاں کلام کی حدبندی مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں بکثرت کلام نہ کروں گی، ہاں ذکر الہٰی کرتی رہوں گی۔ عام طور پر بھی نفاس میں کھانے پینے کا روزہ نہیں ہوتا۔ انہیں تو کُلِي وَاشْرَبِي کا صریح حکم دیا گیا ہے اسلئے یہاں صوم سے مراد زیادہ باتیں نہ کرنا ہے۔ "زیادہ" کی قید قُولِي کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ وقت ٹل جائے۔ بچہ نیا پیدا ہوا تھا زیادہ چرچا نہ ہونے پائے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیض و نفاس میں عورتیں دل میں ذکر الہٰی کر سکتی ہیں۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۚ حضرت مریمؑ حضرت مسیحؑ کو لیکر اپنی قوم کے پاس آئیں۔

ہمارے مفسرین بالعموم اس طرف گئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بالکل بچے تھے اور حضرت مریمؑ ولادت کے معاً بعد انہیں گود میں اُٹھا کر اپنے رشتہ داروں کے پاس لے گئیں اور وہاں پر حضرت مسیحؑ نے یہ ساری گفتگو کی۔ اناجیل میں اس قسم کے معجزہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس جگہ ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ بچپن میں نبی نہ ہوئے تھے تو انہوں نے اس معجزہ کے سلسلہ میں وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (کہ میں نبی بن چکا ہوں) کس طرح کہدیا۔ کیا معجزہ کی بنیاد غلط بیانی پر ہوتی ہے؟

تاریخی تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے یروشلم میں آکر یہ مکالمہ قریباً تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں کیا ہے یعنی بعثت کے تیسرے سال۔ اس سفر کا ذکر انجیل متی باب اکیس ۲۱ میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مندرجہ گفتگو اُسی وقت ہوئی ہے۔

تَحْمِلُهُ کے معنے اس تفسیر پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں تو تَحْمِلُهُ کا لفظ ہے جس کے معنے سوار کرکے لانے کے ہیں اور تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں یہ کس طرح صادق آسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں حَمَلَ کے معنے گود میں اُٹھانے کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا (سورۃ الجمعہ) یہاں دونوں جگہ حمل کے معنے اُٹھانے کے نہیں بلکہ تائید و نصرت اور اس کے مطابق عمل کرنے کے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حمل الشیء کے ایک معنے اس کی تائید کرنے اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت

(۹)

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈوکیٹ۔ لائلپور)

فارمولا رفعِ تکسیر

گذشتہ دو قسطوں میں فارمولا رفعِ تکسیر کا بیان ہُوا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ :-

۱- **تکسیر صغیر** سے یہ مراد ہے کہ جب وا ول گرا کر دو کانسوننٹ باقی رہیں، تو ایک حرفِ تکسیر کو ملانے سے عربی ماخذ بحال ہو جاتا ہے۔

۲- **تکسیر کبیر**- یعنی جب وا ول گرا کر صرف ایک کانسوننٹ باقی رہے تو دو حروف تکسیر کے ملانے سے عربی ماخذ دستیاب ہوتا ہے۔ دونو قسموں کی کثیر مثالیں دی جا چکی ہیں لیکن تکسیر کی دو قسمیں ابھی اور باقی ہیں۔ جن کے ذکر کے بغیر یہ فارمولا تشنۂ تکمیل رہے گا۔ اسلئے اُن کا بیان ضروری ہے۔

۳- **تکسیر ہالک**- ظاہر ہے کہ بعض عربی الفاظ ایسے ہیں جو صرف حروفِ تکسیر (ع- ا- ہ- ح- و- ی) میں سے کسی دو یا تین کے ملنے سے بنے ہیں۔ یہ بھی گذر چکا ہے کہ انگریزی ہجّے میں وا ول یا تو اعراب کا بدل ہیا یا حروفِ تکسیر کا۔ (An- این) (Hub- ہیب) (It- اِٹ)؛ (Out- آؤٹ) (Up- اَپ) گویا ہر وا ول الف کا بدل ہے- اور ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم وا ول کو گرا دیتے ہیں- اندریں حال جو الفاظ محض حروفِ تکسیر کے ملنے سے بنے ہوں گے بالکل ممکن ہے کہ وہ غیر زبان میں جا کر محض وا ولوں پر مشتمل ہوں- پس وا ول گرانے کے بعد ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا! ور عربی ماخذ دریافت کرنے کیلئے ہمیں اُس لفظ کی آواز کو قائم کر کے تین حروفِ تکسیر لانے پڑیں گے اور اس عمل کا نام رفعِ تکسیر ہالک ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے الفاظ بہت ہی شاذ ہو سکتے ہیں- یہ ایک قسم ہوئی- دوسری قسم یوں ہے کہ محض وا ولوں کا بولا جانا بہت ہی سُبک اور خفیف ہوتا ہے اور سماعت کے لئے مشکل- اسلئے ایسے

الفاظ کے ساتھ سہارے کے طور پر کوئی کانسونینٹ زائد لگا دیتے ہیں یا لہجہ خود کسی کانسونینٹ کا سہارا لے لیتا ہے تاکہ لفظ میں ثقل اور بلند آہنگی پیدا ہو کر سماعت اور اخذ میں سہولت ہو۔ دونوں قسم کی مثالیں اس نظری امر کو واضح کر دیں گی۔

(۳) تکسیر ہالک

۱۔ Eu۔ خوب! واہ۔ کلمۂ تعجب۔

۲۔ Aio۔ ہاں لاطینی لفظ ہے = اِیؔ۔ ہاں۔ انگریزی میں Aye ہوا۔ جسکی ایک شکل yea بھی ہے (ی) گراں ہو کر (ج) ہو جاتی ہے۔ اسلئے پرانی انگریزی میں yea اور جرمن میں ja اور ہندی میں (جی بمعنی ہاں) اور S کے اضافہ سے یہی لفظ yes ہوا۔

۳۔ Esse۔ زندگی۔ پرانی لاطینی کا لفظ ہے = جیِی۔ زندہ ہونا۔ واولوں نے بہت ہی سبک اس لفظ کو کر دیا تھا۔ اسلئے اس پر B کا اضافہ ہوا تو لاطینی میں Bis اور انگریزی میں صرف Be رہ گیا۔ گویا جیِی کے تینوں حروف کا بدل محض e انگریزی میں ہے۔

۴۔ ھیّا۔ تیار کرنا۔ F کے اضافہ کے ساتھ لاطینی میں Fis تیار کرنا۔ بنانا ہے

۵۔ Aus۔ سُننا۔ S زائد ہے۔ Au = وعی۔ سُننا۔ یہی لفظ رُوٹ ہے (ear۔ کان) R کے اضافے سے اور (hear) اور (audienc۔ سامعین) یہ اضافہ R اور H کا۔

۶۔ Hyeta۔ بارش۔ یونانی لفظ ہے۔ T زائد ہے۔ حیا۔ بارش۔

چونکہ محض اصول کو واضح کرنا مقصود ہے اسلئے یہ مثالیں کافی ہیں۔

نکتہ ۔ جب کسی لفظ کا ابدال صرف واولوں میں ہو جائے تو کانسونینٹ کا سہارا لینا ضروریات سے ہے۔ جیسا کہ الفاظ مندرجہ صدر میں ہوا۔

غیر ذوی العقول جاندار صرف واولوں کی آواز کو ادا کر سکتے ہیں۔ انسان کی زبان ہی کانسونینٹ ادا کرنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتی ہے جو مختلف لُغات اور نُطق کا موجب ہے۔ خلق الانسان علّمه البيان۔

تکسیرِ ناقص

مذکورہ بالا تکسیریں (صغیر۔ کبیر۔ ہالک) ایک جچے تُلے حسابی قاعدے کے مطابق واقع ہوتی ہیں۔ لیکن ایک قسم کے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کو توڑ پھوڑ کر حرف صحیح کو بھی گرا دیا جاتا ہے۔ اور یہ عموماً روزمرہ بولی میں یا پیار کے طور پر بچوں کے ناموں میں واقع ہوتا ہے۔ گویا تابعِ مہمل کی طرح یہ ایک تغیّر ہے۔ ایسے الفاظ دراصل لُغت نہیں ہوتے اور نہ ہی اہلِ لغت ان کو شمار میں لاتے ہیں۔ سوائے معدودے چند کے۔ جسے Corruption کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سوائے قرینہ قویّہ کے ایسے الفاظ کا ماخذ نہ تو حجّت ہے اور نہ ذریعۂ فن کرنا چاہیئے۔ مضمون کی تکمیل کے لئے اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ مثال :۔

۱۔ Rod صریحاً طراد (ڈنڈا) بحذفِ ط نظر آتا ہے۔

اَور مثالیں دینے کی یہاں ضرورت نہیں۔

تکسیرِ ناقص کو چھوڑ کر فارمولا رفعِ تکسیر اصولاً تین اقسام پر مشتمل ہے اور یہ فارمولا تخمیناً ستّر فی صد الفاظ کی تحقیق میں کارگر ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یعنی یہ کہ حروفِ تکسیر (ع۔ا۔ہ۔

و- ی) ایسے حروف ہیں جو اکثر و بیشتر مصدر ثلاثی میں شامل ہیں۔
بہت کم ایسے مصدر ہوں گے جو اِن چھ حروف سے بے نیاز ہوں
اور یہی چھ حروف کثرتِ لغت اور امتیازِ ہجاء کا باعث ہیں۔
لیکن عجمی زبانوں میں جا کر یہ رعایت قائم نہیں رہتی اور بہت کچھ
گڑبڑ مچ جاتی ہے۔ اِس وقت یہ بات فطری ہے لیکن آئندہ
فارمولوں میں بالکل واضح ہو جائے گی۔

دراصل اِن تمام فارمولوں میں جو بیان ہوتے یا ہوں گے
اِن چھ حروف کا دخل، اثر اور تصرف کسی نہ کسی رنگ میں ضرور
موجود ہے۔ اب ہم فارمولا رفعِ تکسیر کو ختم کرتے ہیں اور ایک
نیا فارمولا پیش کرتے ہیں۔

فارمولا رفعِ زوائد

"وبعضها بدا کریہ الشکل کثیر
الاختلال۔ کانہ جدری کالاطفال
بذءتها اعین الناظرین ــــ اور بعض
بُری شکل کے ساتھ ظاہر ہوئے اور صورت بگڑ گئی
گویا اُن کو بچوں کی طرح چیچک نکل آتی ہے یہاں تک
کہ دیکھنے والوں نے اُن سے کراہت کی۔"
(منن الرحمٰن صلا ۹۱)

بید انّها اخرجت من المنازل
المقررة، وبعدت من الاوطان
الموروثیة وبوعدت من الاتراب۔
وھیل علیها الزوائد کھیل التراب
ہاں اتنا ہے کہ وہ منازل مقررہ سے نکالے گئے
اور اپنے موروثی وطنوں سے دُور کئے گئے۔
اور اپنے ہم عمروں سے الگ کئے گئے اور اُن پر
زوائد ڈالے گئے جیسے کہ مٹی ڈالی جاتی ہے۔
(منن الرحمٰن صلا ۹۱-۹۲)

"فستعلم عجرها و بجرها وسنبدی
لك حصاتها و حجرها۔ وندعو الی
الحق قوماً منصفین۔ اور عنقریب تو اُنکی
حقیقت جان لیگا اور ہم عنقریب اُنکے سنگریزے
اور پتھر تیرے پر ظاہر کریں گے تا کہ ہم منصف
لوگوں کو حق کی طرف بُلا دیں۔" (منن الرحمٰن صلا ۹۲)

حضورؑ کی عباراتِ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ عجمی الفاظ میں بعض
زائد حروف بھی داخل ہو گئے ہیں جنہوں نے اصلی الفاظ کو گویا
چیچک رُو بنا دیا ہے یا سنگریزوں کی طرح اُن میں کھٹکنے لگے۔ یا
یہ کہ اُن پر مٹی ڈالی گئی۔ حضورؑ نے یہ تین استعارے زوائد کے
بارے میں استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی الفاظ کا چیچک رُو ہو جانا
اُن پر مٹی پڑ کر اُن کا گرد آلود اور مکدر ہو جانا اور سنگریزوں
کا اُن میں ثقل پیدا کرنا۔

الفاظ کے کچھ ہجاء تو اسلئے مختلف ہو گئے کہ التباس سے
بچانے کے لئے زائد حروف داخل کئے گئے اور یہ غیر طبعی زائد
حروف ہیں۔ اور کچھ زوائد اسلئے وجود پذیر ہوتے کہ آب و ہوا
کے فرق سے لہجے پر اثر پڑا۔ یہ طبعی زوائد ہوں گے۔

عاجز کی تحقیق میں زائد حروف کی اقسام حسب ذیل ہیں
لیکن یہ انتباہ ضروری ہے کہ ابتدائی قیاس یہ ہونا چاہیئے کہ
کوئی حرف زائد نہیں جب تک قرینہ قویہ اس پر قائم نہ ہو۔ پس
اقسامِ زوائد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) **حرفِ صوت**:۔ اصلی لفظ کے آخر میں یا لام کلمے کے
ایک حرف زائد ہوتا ہے گویا لہجے کے پھیلاؤ کو دوسے

کے لئے یہ ایک سد اور رُکاوٹ کا کام دیتا ہے۔ مثلاً قِلّ (کپکپی) Cold ہو گیا۔ D زائد ہے۔ بالعموم یہ زائد حرف اُسوقت آتا ہے جب لام کلمہ حروفِ تجبیر (ع - ا - ہ - ح - و - ی) میں سے کوئی ہو۔ کوئی سا حرف صحیح یعنی کانسونینٹ حرفِ صفت ہو سکتا ہے۔ اور یہ موقوف ہے لہجے کے اختلاف یا لفظ کی مجموعی ساخت اور تلفظ پر۔ نیز بعض قوموں کو گویا بعض حروف سے پیار ہوتا ہے اور ایسا حرف وہ آخر میں زائد لاتے ہیں۔ عموماً R - T - D - S آخر میں زائد ہوتے ہیں کیسکسہ یعنی قبیلہ تمیم کے لہجہ میں کاف کے ساتھ سین کا الحاق مثلاً اکرمتُکَ کی بجائے اکرمتکس کہنا بھی حرفِ صَوت کا ثبوت ہے۔ لاطینی میں بھی S لفظ کے آخر میں اکثر زائد آتا ہے۔

ایک سبب حرفِ صَوت کا یہ بھی ہے کہ یہ حرف کسی لاحقے کے لگنے کے لیئے ایک مستعد درمیانی واسطہ بن جاتا ہے مثلاً اَرَسْتَ = Arrest) اس میں T زائد اسلئے ہے کہ Arrested ماضی بننے کے لئے یہ پیوند کا کام دیتا ہے۔ اور نیز ہجا کا امتیاز بھی قائم کرتا ہے۔ اگر Arresed کہتے تو تلفظ کا ادا کرنا مشکل اور سماعت کے لئے دقّت طلب ہوتا۔

غرضیکہ حرفِ صوت اس کانسونینٹ کا نام ہے جو اصل رُوٹ کے آخر میں زائد ہو۔

(ب) **حرفِ وصل**:۔ جب کسی لفظ کے ساتھ Prefix یا Suffix لگاتے ہیں یا دو الفاظ کو مرکّب بناتے ہیں تو درمیان میں ایک خلا سا رہ جاتا ہے اُسے پُر کرنے کے لئے اور لفظ کے دونوں اجزاء کو ہموار کرنے کیلئے درمیان میں ایک کانسونینٹ زائد لاتے ہیں تاکہ لفظ دو ٹکڑوں میں بٹا رہنے کی بجائے ایک مفرد اور یکجان لفظ معلوم ہو۔ مثلاً ھَلَسَ (بے ہوشی کی گفتگو کرنا) سے Hallucinate بنا ہے۔ N نے دونوں اجزاء کو باہم پیوند لگایا ہے۔ یعنی ate لاحقہ لگ کر اور دونوں اجزاء مل کر N کی وجہ سے ایک لفظ بن گیا ہے۔ شَقّ سے شکستن میں سین حرفِ وصل ہے جس نے "تن" علامتِ مصدری اور شَقّ (پھاڑنا۔ چیرنا یعنی توڑنا) دونوں اجزاء کو ملایا ہے۔

(ج) **حرفِ مکرّر یا حرفِ جواب**:۔ بعض دفعہ پہلا حرف آخر میں دُہرایا جاتا ہے۔ یہ بھی حرفِ صَوت کی ایک قسم ہے۔ اِس لحاظ سے کہ یہ آخر میں حرفِ صوت کی طرح زائد ہوتا ہے لیکن یہ پہلے حرف کا تکرار یا جواب ہی ہوتا ہے۔ مثلاً (قاعٌ۔ خالی) سے واک۔ دوسرا کاف حرفِ مکرّر ہے۔ لیکن لاطینی میں (قاعٌ) مقلوب ہو کر Vacate ہو گیا ہے۔ بعض دفعہ حرفِ مکرّر شروع میں بھی آجاتا ہے جیسے (عَین۔ آنکھ) سِیْن۔

(د) **حرفِ مشدّد**:۔ عجمی لہجے اجتماعِ حرکات کو یا اجتماعِ ساکنین کو آسانی سے ادا نہیں کر سکتے۔ تَفْرِقَہ۔ تجْربہ کو (تَفَرْ۔ قہ۔ تجَر۔ بہ) کہیں گے اور وزن فَعَلَ کو (فَا۔ لَا) یا (فعْ۔ لَا) کی صورت میں ادا کریں گے۔ اسلئے ع کلمہ مشدّد ہو جاتا ہے۔ مثلاً ھَمَر کی بجائے ham - mer ہو گیا ہے۔ ایسا حرفِ مشدّد دو کی بجائے ایک شمار ہو گا۔ اس کی مثالوں کی ضرورت نہیں۔

(ہ) **حرفِ حشو**:۔ بعض دفعہ لفظ کے درمیان یا بطن میں ایک زائد حرف پیدا ہو جاتا یا امتیازِ ہجا کیلئے ڈال دیا

جاتا ہے۔ مثلاً Grip کی بجائے Grasp ۔
Clip کی بجائے Clasp ۔ یہ دونوں S حرفِ
حشو ہیں اور ناقابلِ شمار۔ عموماً R اور L حرفِ حشو
ہوتے ہیں۔

(۹) **حروفِ غنہ**:۔ نون غنہ داخل تہجی نہیں ہے۔ ناک
کی طرف سے اخراج ہوا کی وجہ سے غنے کی آواز پیدا
ہوجاتی ہے۔ یہ غنہ کتابت میں آجاتا ہے۔ گویا غنے کا
اعلان کیا جاتا ہے۔ مثلاً (ساق۔ پنڈلی) کی بجائے
Shank ۔ (فخ۔ پھونکنا) پنجابی میں پھوک
اور اُردو میں پھونکنا۔ اسی کا مزید علیہ پھنکارنا ہے۔
ایسا N خارج از شمار ہوگا۔ عموماً غنہ درمیان میں
ہوتا ہے۔

علاوہ نون غنہ کے تین اور غنے زائد ہوتے ہیں یعنی
دوم۔ M غنہ۔ اِس سے مراد وہ زائد میم ہے جو
B یا P کے ساتھ زائد پیدا ہوجائے۔ مثلاً
Clip سے Clamp ۔

Dumb ۔ گونگا = DM = gM = اعجم۔ گونگا
D کا ابدال g میں بعض دفعہ ہوجاتا ہے۔ اس لفظ
کا رُوٹ اصل انگریزی ڈاکٹروں کو نہیں ملا۔

چہارم۔ P غنہ سے مراد وہ P ہے جو M کے ساتھ
زائد پیدا ہوجائے۔ مثلاً Camp = خیمہ ہے۔
M کے ساتھ P زائد پیدا ہوگئی ہے۔

اس لحاظ سے حروفِ غنہ ہماری اصطلاح میں چار قسمیں
رکھتا ہے۔ یعنی N - M - B - P زائد پیدا ہوجاتے ہیں۔

الف زائدہ بہت دفعہ دو سلیبل بنانے کے لئے شروع
میں زائد آتا ہے۔ مثلاً (زعم۔ دعویٰ، غرور) = Assume
یا (مزح۔ خوش طبعی کرنا) = Amuse ۔ چونکہ واول
کو ہم گرا دیتے ہیں اسلئے ایسے الف زائدہ کی طرف اشارہ کرنا
ہی کافی ہے۔ یاد رہے کہ اِس زائد الف کے ساتھ بعض وقت
N اور M غنہ پیدا ہوجاتے ہیں۔ مثلاً (بعث۔ بھیجنا) سے
Embassy ۔ (بذ۔ مثل۔ مانند) سے انباذ وغیرہ۔

تنبیہہ:۔ بہترین رُوٹ وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ
حروف کھپ سکیں۔ گو ایک حل ایسا بھی ہو جو کسی حرف کو زائد
شمار کرنے سے درست ہو۔ یہ تنبیہہ اسلئے ہے کہ بلا اضطرار اور
بلا وجہ کسی حرف کو زائد نہ شمار کیا جائے۔ مثلاً Sad کی D کو
زائد شمار کرنے سے (ساد۔ غمگین ہونا) کی نسبت SD = Sad
= KD = کاڈ۔ غمگین ہونا۔ بہتر رُوٹ ہے۔ اِس تنبیہہ کا درج
کرنا اسلئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ اصول کی پابندی قائم رہے۔
اور نیز حروف کی قدر و قیمت ضائع نہ جائے۔ مغربی محقق رُوٹ
قائم کرنے میں حروف کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے اور بہت دفعہ
لفظوں کو توڑ پھوڑ کر اور کم و بیش کر کے رُوٹ نکالتے ہیں۔
پس بہت سی غلطیاں اُن سے سرزد ہوجاتی ہیں۔

حروفِ غنہ کے بارے میں منن الرحمن کا مندرجہ ذیل حوالہ
قابلِ غور ہے:۔

"انھا السنة ما اعطی لھا بیان ولا
لمعان۔ الا غمغمه ودخان۔ وہ
بولیاں کچھ ایسی بولیاں ہیں کہ ان کو بیان اور
چمک نہیں دی گئی۔ مگر ناک میں بولنا اور دھواں"۔
(منن الرحمن صفحہ ۹۳)

واضح ہو کہ حروفِ غنہ پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے

کہ عین کلمہ مشدد ہو کر دو سلیبل بن جاتے ہیں اور پھر ان میں سے ایک پھٹ کر بدل جاتا ہے۔ مثلاً (قَمَرَ۔ جوا کھیلنا) =

Gamble = Gamber = Gammer

ایک میم پھٹ کر B ہو گیا ہے اور حرف "ر" لام میں بدل گیا ہے اس طرح پر ثقل اور تنافر دور ہو گیا۔

یاد رہے کہ خالص چیز پہلے ہوتی ہے اور اس میں آمیزش بعد کو ہوتی ہے۔ پس رفعِ زوائد کا فارمولا بھی عربی کی قدامت اور اُم الالسنہ ہونے کے حق میں ایک مضبوط دلیل ہے کیونکہ مندرجہ بالا قسم کی آمیزشوں سے جب ہم کسی لفظ کو پاک و صاف کرتے ہیں تو وہ اپنی قدیمی اور خالص شکل میں دستیاب ہوتا ہے اور مصدر ثلاثی پر منطبق ہوتا ہے۔ نیز وجہ تسمیہ کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ الفاظ دیگر عربی زبان کی خصوصیات سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ زائد حروف ہمارے فارمولے کے ماتحت اس طرح کٹ کر نکل جائیں گے جیسے کپڑے سے میل یا مکھن سے بال۔ اب اس دعوے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

رفعِ لین اور رفعِ تکسیر میں الفاظ پر ایک ایک عمل کیا گیا تھا لیکن رفعِ زوائد میں دو عمل کرنے پڑیں گے یعنی پہلے زائد حرف کو نکالا جائے گا اور پھر وہی دو بنیادی فارمولے یعنی رفعِ لین یا رفعِ تکسیر بروئے کار لائے جائیں گے اب مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اول۔ حرفِ صوت

مندرجہ ذیل الفاظ میں آخری حرف چھوڑ دو۔ باقی حصہ عربی لفظ ہے۔

(۱) Cold = CL ۔ قِلّ ۔ کپکپی ۔ Chill اور Cool بھی یہی لفظ ہے

(۲) Clod = CL ۔ قُلاعہ ۔ ڈھیلا

(۳) کلوخ = KL(K) ۔ قُلاعہ ۔ ڈھیلا

(۴) Fold = FL = LF ۔ لَفّ ۔ لپیٹنا

(۵) Cloud = CL = قلعہ ۔ بادل

(۶) Proud = PR = فرِہ ۔ متکبر ۔ اکڑباز ہونا۔
قرآن: وتنحتون من الجبال بیوتاً فارھین۔
(انگریزی والوں کو اس کا روٹ نہیں ملا۔)

(۷) Beard = BR = FR ۔ فرع ۔ بہت بالوں کا ہونا۔ افرع ۔ گنجان بالوں والا۔

(۸) Hazard اس کے معنی اندازہ اور خوف ہیں۔ انگریزی والوں کو اس کا روٹ نہیں ملا۔ HZR حزر اندازہ لگانا۔ حذر ۔ ڈرانا۔ گویا Z بدل ہے (ز) اور (ذ) کا۔ اور یہ لفظ homonym ہے۔

(۹) مَرد = MR ۔ مرءٌ ۔ آدمی۔

(۱۰) gourd = GR = قرع ۔ کدو

(۱۱) Crowd = CR = غرۃ = جماعت ناتجربہ کاروں کی۔

(۱۲) Cord = CR = کرّ ۔ رسی ۔ وجہ یہ کہ کر لپیٹا جانا رسی کے بل کی طرف نسبت ہے۔

(۱۳) Court = CR ۔ صرحہ ۔ صحن ۔ صرح ۔ محل ۔ انگریزی میں عمارت اور صحن دونوں معنوں میں یہ لفظ آتا ہے لیکن بلحاظ محل اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔ قرآن: صرحٌ ممرّدٌ۔

(۱۴) Crust = CRS = CSR = قشر ۔ چھلکا

(۱۵) Skirt = SKR = KSR کسرۃ خیمہ کا حاشیہ ۔ کنارہ

(۱۶) Locust = SLC = LCS = سَلقہ - ٹڈی

(۱۷) Basket = BSK = KBS = قفص - ٹوکرا

(۱۸) Daunt = DN = ND = نَدَہ - ڈانٹنا۔

مندرجہ بالا پانچ الفاظ میں آخری حرف حرفِ صوت ہے لیکن علاوہ اس کے مقلوبیت بھی ان میں واقع ہوئی ہے ظاہر ہے یہ غلل در غلل عربی سے مغائرت کا موجب ہے چوری کا مال اُلٹ پلٹ کر لیا جائے تو بھی اصل مالک اُسے پہچان لیتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

(۱۹) Spirit - رُوٹ کے معنی سانس لینا ہے - SPR = زَفَر - سانس لینا - آہ بھرنا - یہی لفظ aspire وغیرہ کئی الفاظ کا ماخذ ہے۔

(۲۰) Aghast = GHS - جَھش - یکدم ڈر جانا۔

(۲۱) Aunt کا رُوٹ Amita بمعنی پھوپھی ہے۔ سترھویں صدی تک M قائم رہا جو بعد میں N ہو گیا۔ قدیم شکل الفاظ کی عربی ہوتی ہے - AM - عمّہ پھوپھی ق تعہ - عمّتکم۔

(۲۲) terror = TR = ترع - ڈرنا

(۲۳) ترسیدن (S) TR = ترع - ڈرنا

(۲۴) Littera - چھلکا LT(R) - لُحاتہ چھلکا

(۲۵) Libra - چھلکا LB(R) - لحب چھیلنا

تقلیب نسبت کے لحاظ سے یہ لفظ رُوٹ ہیں - لٹریچر اور لائبریری کے - اسلئے کہ کاغذ کی ایجاد سے پہلے کتابیں درختوں کے چھلکوں پر لکھی جاتی تھیں - الفاظ کی دُنیا بھی ایک عجائب گھر ہے - فتدبّر۔

دوئم - حرفِ وصل

مندرجہ ذیل الفاظ میں لاحقے سے ملنے کے لئے درمیانی حرف حرفِ وصل ہے جو ہلالین کے اندر دکھایا گیا ہے۔

(۱) Decorate = DC(R) - دَقّہ - خوبصورتی

(۲) Govern کا رُوٹ Gubernare ہے یعنی تحکم اور انتظام ہے - GBR(N) - جَبَر درست کرنا - جَبَرَ - مجبوراً کام کروانا - نیز جبر بمعنی طاقت - بادشاہ۔

(۳) Aestus = AS(T) - حَدَمَا - آگ جلانا

(۴) altus بلند = AL(T) - عَلا - بلند ہونا

(۵) Attentus مائل = TN(T) - طِنّ میلان اُطنا - مائل ہونا۔

(۶) Cribrum چھلنی = CRB(R) - خربہ چھلنی وجہ یہ کہ (خَرَبَ - چھیدنا - سوراخ کرنا)

اِس لفظ کے متعلق ایک امر قابلِ ذکر ہے - بسٹر انسٹ ویکلی آکسفورڈ ڈکشنری کے مدیروں بیان ہیں فرماتے ہیں کہ لفظ (غربال - چھلنی) لاطینی سے عربی میں گیا ہے - اور لاطینی میں Cribullum مُصغّر ہے کا تصغیری ہے - اِس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ لفظ خربہ ہے نہ کہ غربال - جو کہ علیحدہ لفظ ہے اور انگریزی میں بطور Karble اور garble مصدری معنوں میں مستعمل ہے - اگر بالفرض عربی میں غربال دخیل بھی ہو تو یہ خربہ ہے بہ حذفِ لام - اور لاطینی میں (خرب چھیدنا سوراخ کرنا) مصدر موجود نہیں ہے اسلئے

وجہ تسمیہ بھی ناپید ہے۔ مُدیر موصوف کی جرح کیا ہے ؎

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

(۷) Hortus ۔ باغ ۔ (T) HR ۔ حَیر ۔ باغ ۔ بلکہ فصیل دار باغ۔

(۸) Crinis ۔ بال (N) CR ۔ شَعر ۔ بال ۔ لاطینی لفظ ہے۔

(۹) Dorsum ۔ پیٹھ (S) DR ۔ ظہر ۔ پیٹھ ۔

ظ = D

(۱۰) گریستن = (S) GR = ZR = ذرأ ۔ آنسو بہانا ۔

(۱۱) نگریستن (S) NGR ۔ نظر ۔ دیکھنا

(۱۲) شکستن (S) SHK ۔ شَقّ ۔ چیرنا ۔ توڑنا

(۱۳) گذشتن (S) GZ ۔ قضیٰ ۔ ہوچکنا

(۱۴) خموشیدن (S) GM ۔ عَمّم ۔ خموش ہونا

(۱۵) گریختن (K) GR ۔ جَرَی ۔ دوڑنا

(۱۶) Somersault ۔ قلابازی (R) SM صَمِیَ پلٹا کھانا (T) SL ۔ صَالَ ۔ کُودنا ۔ R حرفِ وصل اور T حرفِ صوت ہے۔

(۱۷) شتابیدن (B) ST ۔ سَتا ۔ جلدی کرنا

(۱۸) تلاشیدن (S) TL ۔ تَلا ۔ پیچھے چلنا ۔ مجازاً تلاش کرنا ۔ کیونکہ تلاش کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز مدِنظر ہے اُس کے پیچھے چلتے ہیں ۔ اور یہ امر نفسیاتی کیفیت کا مظہر ہے ۔

(۱۹) لپیٹنا (T) LP ۔ لَفّ ۔ لپیٹنا

(۲۰) رگڑنا (R) RG ۔ دَقّ ۔ پتلا کرنا ۔ دھکیل پیسنا کیونکہ رگڑنا پیسنے اور تیز کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

(۲۱) Ebrius ۔ پیے ہوئے = EB (R) عَبّ ۔ پینا

سوئم ۔ حرفِ مکرّر

مندرجہ ذیل الفاظ میں پہلا حرف آخر میں دُہرایا گیا ہے اور ہلالین کے اندر اُس کا زائد ہونا دکھایا گیا ہے۔

(۱) خشک = (K) KSH = قَشّ ۔ خشک ہونا ۔ (خوشیدن خشک ہونا) مصدری حالت میں ہے ۔ (سوکھنا = SK = KS = قَشّ) ۔ (لاطینی میں قَشّ = CS = SC = Succis) گویا فارسی میں یہ لفظ راست حالت میں ہے اور ہندی اور لاطینی میں مقلوب ہوگیا ہے۔

(۲) Little = (L) LT = آلَتَ ۔ کم ہونا

(۳) باب، باپ، پوپ، Papa ۔ سب میں اُب (اَپ) کی ب حرفِ مکرر ہے ۔ مام، Mamma میں اُم (ماں) کا میم دُہرایا گیا ہے ۔

(۴) کوشک ۔ محل = (K) KSH = قُشّ ۔ مکان ۔ لاطینی میں Casa (مکان) ہے ۔ یہ لفظ کوشک معرب ہو کر عربی میں گیا ہے اور جوسق (حویلی) ہوگیا ہے ق جیم میں بدلا ہے ۔ اب بظاہر حال "جوسق" صاحب غیر ملکی ہو کر عربی گھر میں براجمان ہیں ۔ اور موجودہ صورت میں ع

یاں کے ہیں گویاں سے نکالے ہوئے تو ہیں

(۵) Chitraka ۔ سنسکرت میں چیتے کو کہتے ہیں ۔ K جواب ہے CH کا یعنی حرفِ مکرر ہے معنے سنسکرت میں داغدار کے ہیں ۔ پس: ۔

ارقط ۔ چیتا ۔ اسکی وجہ تسمیہ = RCHT = CHTR (K)

یہ ہے کہ (آرقط - قطرے چھڑک کر داغ ڈالنا) - اور رُقطہ - سفید و سیاہ داغ) - (یہی لفظ مخفف ہو کر چترا - چتلا - چیتل - چیتی پر منتج ہوا - یہ تکبیر ناقص کی مثال ہے)

چہارم - حرفِ حشو

مندرجہ ذیل الفاظ میں ہلالین کے اندر حرف حشو دکھایا گیا ہے :-

(۱) Burly - موٹا تازہ = B (R) L = بلاع (پٹھو) یہی لفظ Bully ہے -

(۲) Flirt - فوراً آ پڑنا = FL (R) T = فلط اچانک آ پڑنا -

(۳) Giglet - بدکار عورت = G (G) LT = جلوط - بے شرم عورت - یہی لفظ بغیر حرفِ حشو Jilt ہے -

(۴) Earl - جس کا روٹ Jarl ہے = J (R) L = جَلّ - مشہور، شاندار -

(۵) Hurl - پھینکنا = H (R) L = آلّ - دھتکارنا - زور سے نیزہ مارنا -

(۶) Niggard : بخیل = NG (R) D = نکد = روک لینا - نیز (نکد - منحوس، بدبخت) اور (نکدٌ - تھوڑی بخشش) -

(۷) Knife = K (N) F = خیفہ - چھری -

(۸) Knoll - ڈھیلا = K (N) L = قلاعہ - ڈھیلا

(۹) Learn = L (R) N = لحن - سمجھنا - دانا ہونا

(۱۰) Lurch - دھوکا دینا = L (R) CH = لاص دھوکا دینا - چ - ص کا بدل ہوتی ہے -

(۱۱) Lurch = L (R) CH = لِص - چور

(۱۲) Masticate - چبانا = MS (T) C = مضغ = چبانا -

(۱۳) Margarine - موتی - MRG (R) N مرجان - موتی -

پنجم - نونِ غنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں N غنّہ زائد ہے اور اسے قلم انداز کر دیا گیا ہے -

(۱) Shank - پنڈلی = SK = ساق - پنڈلی -

(۲) Crank - بے وقوف = CRK = خُرق عقل کی کمزوری اور (خرق - بے وقوف ہونا) یہی روٹ بغیر غنّے کے Crack = خرق (پھاڑنا) ہے -

(۳) Chink - دراڑ = CHK = شقّ (دراڑ)

(۴) Pink - گلابی = PK = فقع - سرخ ہونا -

(۵) Link (جوڑ) = LK = علاقہ تعلق - جوڑ -

(۶) Quench - پیاس بجھانا = QCH = قصع = پیاس بجھانا - (چ = ص)

(۷) Clench - دانت بھینچنا = CLCH = صلق = دانت بھینچنا -

(۸) Shrink - سکڑنا = SHRK = KRSH = کرش (سکڑنا) - یہی لفظ سکڑنا بھی ہے -

(۹) Wand - ڈنڈا = WD = وَد (ڈنڈا)

(۱۰) Sink = SK = KS = غسق - ڈوبنا

(۱۱) Link - چراغ = LK = اُلَق - روشن ہونا یا لیاق - آگ کا شعلہ)

(۱۲) Links - چراگاہ = LK = لیاق - چراگاہ

(۱۳) Long - چاہنا = LG = لاغ - چاہنا

(۱۴) Lunge - رسّی = LG = علاقہ - لٹکانے کا تسمہ

(۱۵) Lunch - کھانا = LCH = علاق - خوراک

(۱۶) Kynda - آگ پکڑنا = KD = قدح - چقماق سے آگ نکالنا -

(۱۶/۱) آسمان = SM = سماء - آسمان - جو لوگ اسے آسیا + مان - کہتے ہیں غلط کہتے ہیں -

(۱۷) Parany - چھری = PRG = فریغ - تیز چھری -

(۱۸) اندک (تھوڑا) = DK = دِق - تھوڑا (دِقّہ - چھوٹا پن) -

(۱۹) اندیشیدن - ڈرنا = DSH = دَھِش - حیران و پریشان ہونا -

(۲۰) رنگ = RK = ایراق = رنگنا -

(۲۱) سینکنا = SK = سخا (گرم کرنا)

(۲۲) ننگا = J (N) N = اُنجی - ننگا کرنا -

(۲۳) نیند = ND = نَاد - اونگھنا -

(۲۴) کانپنا = KP = قَفّہ - لرزہ

(۲۵) مینگ = M G = مُخ (گودا - مغز)

(۲۶) سانپ = SP = سِفّ (چتی دار سانپ) پنجابی - سَپ -

(۲۷) قینچی = KCH = قصّ (کترنا) اسی سے ہے مِقص (قینچی)

نوٹ :- Scissors میں پہلا S زائد ہے اور ors فاعلی ہے (یعنی کاٹنے والی) روٹ CS = (قصّ - کترنا) دیکھئے قینچی اور Scissors کا ظاہری تلفظ کتنا مختلف ہے لیکن اصولی لحاظ سے دونوں کا روٹ ایک ہے -

ف - یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ چ بدل ہوتا ہے K یا S کا اور ص بالعموم چ میں بدلتا ہے - (چین = صین) (چنار = صنار)

(۲۸) Ankle - ٹخنہ = KL = کاحل - ٹخنہ

ششم - B غُنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں M کے ساتھ ایک B زائد پیدا ہوگئی ہے - بوجہ M کے تکرار یا تشدید کے - اس B کو نظر انداز کر دو -

(۱) Amb - اردگرد = AM - حام - اردگرد پھرنا -

(۲) Climb - سیڑھی = CLM - سُلَّم - سیڑھی

(۳) Comb - کنگھی کرنا = MC = CM - مَسح - کنگھی کرنا مقلوب ہو کر M کے ساتھ B زائد پیدا ہوگئی ہے -

S = C

(۴) Crymb - ذخیرہ = CRM - کریم - ذخیرہ

(۵) Crumb - روٹی کا ٹکڑا = CRM - قرامہ - روٹی کا ٹکڑا جو تنور میں لگا رہ جائے -

(۶) Crumble = CRM - خرم - توڑنا

(۷) gamble - جُوا کھیلنا = GML = GMR - قَمر - جُوا کھیلنا -

(۸) Champerty - جُوا بازی = CHM(P)R - قمر - جُوا کھیلنا -

(۹) Dumb - بہرہ = DM = SM = صُمّ - بہرہ -

یاد رہے کہ D بعض دفعہ S کا بدل ہوتی ہے۔

(۱۰) gamba - ٹانگ = GM = قائمہ - ٹانگ

(۱۱) کھمبا - (B) KM - قائمہ - تار کا ستون

(۱۲) Imber - بارش کی بوچھاڑ = IMR - ھَمرہ - بارش کی بوچھاڑ۔

(۱۳) Jamboree - میلا = JMR - جمیر - اکٹھا ہونے کی جگہ۔

(۱۴) Lamb - لیلا = LM = ML = حمل - لیلا

(۱۵) Limb - جوڑ یا عضو - LM = لحم - جوڑنا - محکم کرنا۔ عضو کو جوڑ اور بند کہتے ہیں ؎

غیروں کے بند بند کٹے یار نے جُدا
پر اُن کے جوڑ توڑ برابر چلے گئے (امیر)

(۱۶) Nimble - پھرتیلا = NML - نِمس (الاصابع) - (ہاتھ کا) پھرتیلا۔

(۱۷) Numb - عضو کا سست پڑ جانا = NM - نَام - عضو کا سست پڑ جانا۔

(۱۸) Jamb - ٹانگ - JM - قائمہ - ٹانگ - یہاں (ق) کا ابدال (ج) میں ہو گیا ہے - اور پھر لاطینی میں (ج) کا ابدال (ی) میں ہو کر Iamba ہی لفظ ہے

(۱۹) Lambiano - دیوانگی - LM - لُمّہ - دیوانگی

(۲۰) Ambulare - چلنا - AML - حَمَل اُٹھا کر چلنا

ہفتم - P غُنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں M کے ساتھ P زائد پیدا ہو گئی ہے - اسے کالعدم جانو۔

(۱) tempus - جہاں سے نہ دیکھ سکیں = TM - طَمَح - نظر اُٹھنا

(۲) Crump - ٹوٹ جانا = CRM - خَرَم - توڑنا چھیدنا

(۳) Damp - تر کرنا - بند کرنا = DM - دَوّم - تر کرنا - دَمّ - سوراخ بند کرنا۔

(۴) Gamp = GM - غَمّ - ڈھانکنا

(۵) Imp - بے وقوف - IM - اِمّع - بے وقوف

(۶) Lamp = LM - لَمَع - چمکنا - روشن ہونا

(۷) Jump = JM = MJ - مَعَج - کودنا

(۸) Lampoon = loon لاحقہ ہے - LM = ML - مَحَل - عزت پر حملہ کرنا - مَحَل - بدنام کرنا۔

(۹) Ramp² - سیڑھی کا درجہ - RM - رَیم سیڑھی کا درجہ۔

(۱۰) Ramp¹ - عمارت کے ساتھ ڈھلوان پشتہ - RM - عَرم - پُشتہ - بند۔

(۱۱) Rump - چوتڑ - RM - رمّاعہ - چوتڑ

(۱۲) Tempest - طوفان - TM - طَمَا - طغیانی - طموح - اونچی لہروں والا ہونا (سمندر)۔

(۱۳) Rampage - انتہائی ناراض ہونا - RM = رَمَح - غصے سے کانپنا۔

(۱۴) Scamp - سرپٹ دوڑنا - اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا - اس کا روٹ جو دیا ہے اس پر ہنسی آتی ہے - یعنی Camp - ex - خیمہ سے باہر سوال گندم جواب چنا - حل یوں ہے - CMS = SCM (P) - قَمَص - چھلانگنا - سرپٹ دوڑنا۔

(۱۵) Camp - خیمہ - میدان - CM - خیمہ - کمع ہموار زمین - گھر۔

(۱۶) Stampu - مُہر - STM - ختم - مُہر لگانا -

انگریزی زبان میں Stamp کے معنی حسبِ ذیل ہیں
مُہر لگانا - ممتاز یا نمایاں کرنا - سرکاری مُہر بغرض تصدیق -
نشانِ خصوصیت -

ف: Stamp کے ساتھ جب تک کوئی اور لفظ مثلاً out وغیرہ نہ ہو اسکے معنی مُہر تصدیق ہیں۔ دیکھو آکسفورڈ ڈکشنری اور مندرجہ بالا اُردو ترجمہ - بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کی ترجمہ کردہ لُغت انگریزی سے ہم نے لیا ہے -

ف۲ - S کا تبادلہ K میں مسلّم امر ہے - اس موقع پر امیر خسرو ایسے کامل زباندان اور مشہور شاعر کا شعر مندرجہ "قران السعدین" یاد آیا - حکایتاً عن الغیر اپنے متعلق کہتے ہیں ؎

گفت کہ اے ختمِ سخن پروراں
دیدہ خود خوانچہ تو دیگراں

ترجمہ: اس نے کہا - اے شاعروں کے "ختم" (بدیں معنی) کہ دوسرے لوگ تیرے دسترخوان سے فیضیاب یا دیدہ جبین ہوتے ہیں - اس شعر کی بلاغت اور لفظ ختم کا محلِ استعمال یعنی فیض رسانی نہایت توجہ طلب ہے -

ہشتم - M غُنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں B یا P کے ساتھ M زائد پیدا ہوگیا ہے - اسے زائل کردیں -

(۱) Embassy = (M) BS = بعث - بھیجنا
(۲) Cumbere - لیٹنا = CB = سَبِیح - سونا آرام کرنا

(۳) Clampi = CLP = خِلاب - پنجہ
(۴) Clamp² - سیاہ کیچڑ = CLP = خُلب - سیاہ کیچڑ
(۵) Compass - پکڑنا = CPS = قبض - پکڑنا
(۶) Cumber - بوجھل ہونا - er مصدری لاحقہ ہے =
CB = کَبَّ - بوجھل ہونا، کُبّۃ (بوجھ)
(۷) Cymbi کشتی = CB = سابحہ - کشتی
یہی لفظ Ship ہے لیکن انگریزی وغیرہ میں (سبح تیرنا) مصدر ناپید ہے - اسلئے اِن دونوں الفاظ کی وجہ تسمیہ بھی انگریزی وغیرہ میں مفقود ہے -
(۸) Gombeen - انتہائی سُود خوری = GBN = غبن - سَودے میں دھوکا دینا -
(۹) Jumble² - کوڑا کرکٹ = JBL = ZBL = زُبالہ - کوڑا کرکٹ
(۱۰) Camphor = CPR = کافور
(۱۱) Lymph = خالص = LP = لُبّ - جوہر
(۱۲) Nymph حسین عورت = NP = نیاف - دراز قد حسین عورت -
(۱۳) Rumple - لہر = RPL = رِفَل - جھرّیاں
(لہر کی تشبیہ ہے)
(۱۴) Triumph - گانا = TRP = طرب - گانا

تلك مائۃ وخمسون وامثالها كثيرة جداً - ق ت - وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ○

بچے کے ابتدائی دس سال کا نفسیاتی تجزیہ

ذیل کا نہایت قیمتی اور علمی مضمون امریکہ کے ایک انگریزی رسالہ سے مکرم چودھری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم و تربیت نے ترجمہ فرمایا ہے۔ اِس مضمون کا بچوں کی تربیت سے گہرا تعلق ہے۔ آیت قرآنی فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیہا کی روشنی میں اس سے بہت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اُسے نماز سکھاؤ اور جب وہ دس برس کا ہو جائے تو اُس سے پوری تاکید سے نماز پڑھواؤ۔ اِس مضمون کے مطالعہ سے اِس ارشادِ نبوی کا پُرحکمت ہونا اظہر من الشمس ہے ——— (ایڈیٹر)

امریکہ کے ڈاکٹر آرنلڈ جیل نے بچے کی ابتدائی دس سالہ زندگی پر غور و فکر کر کے اپنے مشاہدات کی بناء پر چند کتب تالیف کی ہیں۔ جن میں بچے کی دس سالہ عمر میں درجہ بدرجہ جو طبعی تغیرات اس کے اطوار و خصائل کے لحاظ سے رونما ہوتے اور نشو و نما پاتے ہیں ان کا بیان ہے۔

ڈاکٹر موصوف کی رائے میں بچے کی طبعیت اور اس کی ضروریات کا اندازہ کرنے کے لئے لازم ہے کہ اس کے طبعی نشو و نما کا علم حاصل کیا جائے جس کے فقدان کی صورت میں اکثر والدین اپنے بچوں سے نا واجب توقعات رکھتے ہیں۔ اور بسا اوقات اُن کی روش پر کڑی پابندیاں لگاتے، غصے کا اظہار کرتے اور تادیبی کارروائی عمل میں لاتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا مقولہ ہے کہ بچے کو چھوٹا بالغ نہ تصور کرو بلکہ ایک نشو و نما پانے والا جوہر قرار دو۔

بچے کے جسمانی قویٰ نیز اس کی ذہنی و روحانی طاقتیں سب بتدریج ترقی پاتی ہیں۔ جب ہمیں علم ہو کہ ایک چار سالہ بچے کا بناوٹی کہانیاں بیان کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ ایک طبعی امر ہے تو ہم اُسے دروغ گوئی کی بناء پر ہرگز سزا کا مستوجب نہیں قرار دیں گے۔ اسی طرح یہ جانتے ہوئے کہ سات سالہ بچہ میں ملکیت کا احساس ترقی پا رہا ہوتا ہے ہم بخوبی سمجھ جائیں گے کہ وہ چوری کیوں کرتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان مخصوص خصائل و عادات کا جائزہ لینے پر صرف کیا ہے جو بالعموم ایک صحت مند بچے میں اُس کی عمر کے مختلف حصوں میں نمایاں صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے بچے کی روز بروز کی بلکہ لحظہ بہ لحظہ کی ذہنی اور جسمانی سرگرمیوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے مثلاً بچے کے سال اوّل کے ہر مہینے کے اطوار و خصائل کا مطالعہ کر کے انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ بچہ دُنیوی معلومات سب سے پہلے آنکھوں سے اخذ کرتا ہے نہ کہ ہاتھوں سے۔ چار ماہ کی عمر میں وہ اپنی آنکھوں سے ایک چھوٹے سے نبلیے کی شناخت کر سکتا ہے۔ قریباً دس ماہ کی عمر میں وہ اس کو انگوٹھے اور ملحقہ انگلی سے اُٹھاتا ہے۔ سال بھر کا ہونے پر وہ اُسکو اُٹھا کر بوتل میں ڈال سکتا ہے۔ پندرہ ماہ کا ہو کر وہ کئی مکعبوں کو یکے بعد دیگرے اُٹھاتا ہے جو گنتی کے احساس کی علامت ہے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں وہ تین مکعبوں کا ایک بُرج یا مینار بناتا ہے اور دو سال کا ہو کر ایک دیوار اور تین سال کی عمر میں پُل۔

وہ اپنی تحقیقات کا خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بچے کی سب

طبعی قوتوں و استعدادوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ خود اعتمادی خوف، محبت، اشتیاق تیز اپنے والدین اور ہمجولیوں کے متعلق اچھے یا بُرے احساسات اور ظرافت کے جذبات وغیرہ۔ پس یہ کوئی مضائقے کی بات نہیں کہ اڑھائی سال کی عمر میں بچہ اپنے کسی ہمجولی سے کوئی کھلونا چھینے یا چار سال کا ہو کر وہ دشنام دے اور کوئی شے چھینے یا اترائے اور داستانیں گھڑے یا چھ سال کی عمر میں وہ یکدم اپنے قول و فعل کو جارحانہ رنگ دے اور غصے و محبت کے متضاد جذبات کا مظاہرہ کرے۔

مگر سات آٹھ سال کی عمر میں بچہ انصاف اور دیانت کا ایک نیا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ صحیح و غلط اور اچھے و بُرے کی تمیز کرنے لگ جاتا ہے اور دس سال کی عمر میں وہ جماعتی مسائل میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور ذاتی ذمہ داری کا احساس اسے ہونے لگتا ہے۔ پانچواں اور دسواں سال نسبتاً زیادہ پُرسکون ہوتے ہیں۔ پانچویں سال میں لڑکی یا لڑکا اپنے خاندان کے اندر اور دنیا میں اپنے وجود کی شخصیت کا احساس کرنے لگتا ہے اور دسواں سال ایک سنہری زمانہ ہوتا ہے جس میں کہ فراخدلی کے خیالات اس کے اندر راسخ کئے جاسکتے ہیں۔ جو اسے تنگ نظری اور مذہبی تعصبات سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر موصوف گہری ہمدردی کے جذبات کا ایسے بچوں کیلئے اظہار کرتے ہیں جن پر ان کے والدین اور دیگر بزرگ رشتوں سے سختی اور تحکم کا استعمال کرتے رہے مگر پھر بھی ناکام رہے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ کسی بچے کو سزا یا ملامت سے کھانے کے آداب یا نشست و برخاست کے طریق نہیں سکھائے جاسکتے بچہ خود بخود وقت آنے پر آداب سیکھ جاتا ہے بشرطیکہ نمونہ اچھا ہو۔ نشو و نما صحیح ہو اور اسے مربیانہ شفقت میسر ہو۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ بلاشبہ دنیا میں بُرائی موجود ہے مگر بچوں کے اندر نیکی کو فوقیت و تقدیم حاصل ہے بشرطیکہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ اور اگر نشو و نما کی علامات کو ہم شناخت کرسکیں اور بچے کی ضروریات اور اسکی طبیعت کو سمجھ سکیں تو استفادہ ممکن ہو جاتا ہے۔

اساتذہ اور والدین کو یہ تو اعتراف ہے کہ عملی مہارت ہمیشہ بتدریج ترقی کرتی ہے مگر اس کے باوجود بچے کے اطوار و اخلاق اور اس کے تعلیمی مقابلوں کی صورت میں وہ اس اصول کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اسے ملامت کی جاتی ہے اور ان خامیوں کی بنا پر اسے سزا دی جاتی ہے جو محض اس کی صغر سنی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ہم بچے کو بلوغت کے معیار پر جانچنے کے عادی ہیں اور اسی معیار پر پورا اترنے کے لئے اسے مجبور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی عمر کے مناسب حال معیار کے مطابق کرتا ہے۔

بسا اوقات زبردستی تعمیل کرائی جاتی ہے۔ معافی کا ایسے وقت مطالبہ کیا جاتا ہے جبکہ صرف ظرافت سے کام لینا زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف بچے سے علانیہ محبت کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ بچہ اپنی اہمیت کا احساس کرے اور سمجھے کہ اسکی ضرورت ہے۔ مشاہدات ظاہر کرتے ہیں کہ جن بچوں کو والدین کی محبت نصیب نہیں ہوتی وہ دیر سے چلنا اور بولنا سیکھتے ہیں اور ان کی قوت بیانیہ ناقص رہتی ہے۔ وہ اجنبیوں سے زیادہ ڈرتے ہیں اور ان بچوں کے معیار پر نہیں اترتے جن کی پرورش والدین کی محبت کے ماحول میں ہوتی ہو۔

استفسارات ــ (اور انکے) ــ جوابات

استفسار ۱:۔ "قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِیْرًا کہہ کر چراغ قرار دیا گیا ہے۔ آپ کو چراغ ٹھہرانے میں کیا حکمت ہے؟" (احمد اللہ دہلی)

الجواب:۔ اس کے جواب کے لئے ہم دیوبند (یوپی) کے رسالہ "دار العلوم" کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ایک دیوبندی عالم لکھتے ہیں:۔

"سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن ہونے کی صفت میں چراغ سے تشبیہہ دی گئی۔ آفتاب سے تشبیہہ نہ دی گئی حالانکہ آفتاب تمام نیرات میں سب سے زیادہ روشن ہے اس کے سامنے نہ ماہتاب کی کوئی حقیقت ہے نہ کسی چراغ کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب کے مقابلہ میں چراغ ایک ایسی خاص صفت کا حامل ہے جو ان دونوں میں نہیں ہے۔ اور وہ صفت یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرے بہت سے ویسے ہی چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ بات آفتاب و ماہتاب میں نہیں۔ ایک آفتاب سے دوسرا آفتاب اور ایک ماہتاب سے دوسرا ماہتاب روشن نہیں ہو سکتا مطلب یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب دوسری چیزوں کو منوَّر (بصیغہ مفعول) تو کر دیتے ہیں مگر منوِّر (بصیغہ فاعل) نہیں کرتے۔ اور چراغ دوسری چیزوں کو منوَّر بھی کر دیتا ہے اور منوِّر بھی۔ پس چراغ کے ساتھ تشبیہہ دینے میں آپ کی اس صفت کا اظہار مقصود ہے کہ سرورِ عالم خود بھی روشن ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کرنے والے ہیں۔"

(رسالہ "دار العلوم" دیوبند۔ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۱)

استفسار ۲:۔ رسالہ پیشوا دہلی بابت جنوری ۱۹۵۳ء میں "جھوٹے نبیوں" کے زیر عنوان مرزا حسین علی بہاء اللہ کا نام بھی درج ہے۔ دعوئ نبوت ۱۵ اپریل ۱۸۶۳ء اور وفات ۷ جولائی ۱۸۹۲ء ہے۔ بہاء اللہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ کی زد میں کیوں نہ آئے؟

(آصف اختر نقوی۔ راولپنڈی)

الجواب:۔ جناب بہاء اللہ کو مدعی نبوت قرار دینا غلط اور بہائی مسلمات کے خلاف ہے۔ مشہور مبلغ بہائیت ابو الفضل لکھتے ہیں:۔

"ہرکس با اہلِ بہاء معاشر بودہ یا از کتب این طائفہ مطلع باشد میداند کہ نہ در الواحِ مقدسہ دعوائے نبوت وارد شدہ و نہ بر السنۂ اہلِ بہاء لفظِ نبی بر آں وجودِ اقدس اطلاق گشتہ" (الفرائد صفحہ ۲۷۵)

بہائیوں کے رسالہ "کوکبِ ہند" میں لکھا ہے کہ:۔

"نہ فرقان کے موعود کو نبی کہا گیا۔ نہ اہلِ بہاء حضرت بہاء اللہ جل ذکرہ الاعظم کو نبی مانتے ہیں اور کوکبِ ہند میں بارہا اس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔"

(کوکبِ ہند۔ دہلی۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۶ء)

پس جب بہاء اللہ مدعی نبوت ہی نہیں تو انکے بارے میں یہ سوال

پیدا نہیں ہوتا۔ بہاء اللہ نے قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار دیکر اسکے مقابلہ پر بابی اور بہائی شریعت کو جاری کرنے کی سازش کی تھی اسمیں وہ سَو فیصدی ناکام ثابت ہوئے حتیٰ کہ اہل بہاء کو سَو سال گزر گئے باوجود بہاء اللہ کی مرتبہ شریعت جدیدہ کو طبع کر کے شائع کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ دیدۂ بینا کیلئے بہائیت کی اِس ناکامی کے بعد اور کس دلیل کی ضرورت ہے؟

استفسار ملا :- آپنے الفرقان کے "خاتم النبیین نمبر" میں لکھا ہے کہ عام غیر احمدی علماء قرآن مجید کی آیات کو جزوی طور پر منسوخ مانتے ہیں ان میں سے بعض پانچصد آیات کو بعض اڑھائی صد آیات کو، متقدمین میں سے کم از کم بیس[۲] اور متاخرین میں سے پانچ آیات کو منسوخ مانتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایسا ماننے والے کونسے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

(محمود احمد منٹگمری)

الجواب :- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :-

"عددِ آیاتِ منسوخہ بپانصد رسانیدہ اند و اگر نیک بشگافی غیر محصور است اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لا سیما بحسب توجیہی کہ ما اختیار کردہ ایم۔ شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد ازاں کہ از بعض علماء آنچہ مذکور رشد بلبسط لائق تقریر نمودہ آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن العربی تحریر کردہ قریب بست آیت شمردہ۔" (الفوز الکبیر صث)

گویا علماء سلف بیس سے لیکر پانچسو آیات تک کے نسخ کے قائل چلے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی تحقیق بایں الفاظ درج فرمائی ہے :- "وعلی ما حررت لا یتعین النسخ الا فی خمس آیات" کہ میری تحقیق کے مطابق صرف پانچ آیات منسوخ قرار پاتی ہیں۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۲۱)

آج تک تمام مفسرین نسخ فی القرآن کے عقیدہ کو تفسیروں میں درج کرتے آئے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب مصر میں ہم نے آیاتِ قرآنیہ کے منسوخ نہ ہونیکا اعلان کیا تھا تو وہاں کے بعض بڑے بڑے علماء نے رسالہ المعرفۃ میں اعلان کیا تھا کہ احمدی عدم النسخ فی القرآن کے عقیدہ کے باعث یہود کے مشابہ ہو گئے ہیں کیونکہ یہودی بھی تورات کی آیات کو منسوخ نہیں مانتے۔

استفسار ملا :- سورۃ الاحزاب کی آیت انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض فابین ان یحملنہا و اشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا میں امانت سے کیا مراد ہے؟ (عبد الباری لاہور)

الجواب :- اِس آیت میں الامانۃ سے مراد محبتِ الٰہی کا وہ مقام ہے جس پر پہنچنے والا اللہ تعالیٰ کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور اسکی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ استعداد صرف انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور کامل فرد اس کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ کائناتِ عالم میں سے صرف انسان ہی اِس امانت کا حامل ہے باقی اشیاء میں نہ یہ صلاحیت اور نہ یہ جذبہ ہی موجود نہیں۔ ایک صوفی شاعر کہتے ہیں ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اِس صورت میں ظلوم جہول کا لفظ انسان کے فنا فی اللہ ہونے اور اپنے نفس کو بھول جانے پر دلالت کرنے کیلئے آیا ہے۔ اِس آیت کے دوسرے معنے یہ بھی ہیں کہ حمل الامانۃ عربی زبان میں خیانت کرنیکے معنوں میں آتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین اور پہاڑ سب اپنی اپنی ذمہ داری کو ٹھیک طور پر ادا کر رہے ہیں صرف انسانوں کے کچھ افراد ایسے ہیں جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتے بلکہ اس امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس صورت میں ظلوم و جہول کے الفاظ مذمت کیلئے استعمال ہوئے ہیں *

مجلس مرکزیہ انصار اللہ

دُنیا بھر کا ہر احمدی جس کی عمر چالیس سال سے اُوپر ہے مجلسِ انصار اللہ کا رُکن ہے۔ ہر جماعت میں باقاعدہ طور پر مجلسِ انصار اللہ کا قیام ضروری ہے۔ اِس تنظیم کی غرض و غایت چالیس سال سے زیادہ عمر والے احمدیوں کو خاص طور پر اشاعتِ اسلام اور اعمالِ صالحہ کے لئے تیار کرنا ہے اور ان میں دینی رُوح پیدا کرنا ہے۔ تا وہ اپنے نمونہ سے اسلام کے سچے مبلّغ اور منادی ثابت ہوں۔

اِس تنظیم کی نگرانی کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے مرکز میں چار قائد مقرر فرما رکھے ہیں۔ (۱) جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال (۲) جناب مولوی فرزند علی صاحب قائد تعلیم و تربیت (۳) خاکسار ابو العطاء جالندھری قائد تبلیغ۔ (۴) جناب مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے قائد عمومی۔ اِن چاروں قیادتوں یعنی مجلس مرکزیہ انصار اللہ کے صدر جناب مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے ہیں۔

ہر قائد کا ایک ایک نائب بھی مقرر ہے چنانچہ مولوی ظہور حسین صاحب نائب قائد مال۔ مولوی قمر الدین صاحب نائب قائد تعلیم و تربیت۔ مولوی احمد خاں صاحب نسیم نائب قائد تبلیغ اور چودھری ظہور احمد صاحب نائب قائد عمومی مقرر ہیں۔ مرکزی دفتر کے انچارج کلرک منشی عبد الرحیم صاحب نو مسلم ہیں۔

تمام جماعتوں کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ انصار اللہ کے کام کو پُوری توجہ اور خلوص سے انجام دیں۔ دراصل انسان کی روحانی ترقی اسکے طوعی کاموں سے ہی وابستہ ہوتی ہے۔ ہر مرکزی قیادت کیلئے ہر جماعت میں ایک ایک مہتمم منتخب کیا جاتا ہے جس کا فرض اپنی جماعت کے متعلقہ کام کی رپورٹ مرکز میں بھجوانا بھی ہے۔ جملہ خط و کتابت مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ، کے پتہ پر ہونی چاہیئے ؛

نہایت مفید رسالے اور ٹریکٹ!

مقامات النساء - یہ رسالہ عورتوں کے متعلق حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی یکصد احادیث کا مجموعہ ہے۔ احادیث کا ترجمہ اور تشریح بھی کی گئی ہے۔ عورت کا مقام بلحاظ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے واضح کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

نبراس المومنین - بچوں کے لئے ایک سو احادیث با ترجمہ مرتب کی گئی ہیں۔ قیمت چھ آنے۔

البرہان - ایک شیعہ عالم اور ایک احمدی عالم کے درمیان مسئلۂ ختم نبوت پر تحریری مباحثہ ہوا تھا۔ قابلِ دید ہے۔ قیمت چار آنہ۔

خاتم النبیینؐ کے بہترین معنے } اس موضوع پر مختصر اور جامع ٹریکٹ ہے۔ قیمت یکصد رسالہ پانچ روپے۔

New Discovery about the Life of Jesus. - یہ انگریزی، اردو اور عربی زبان کا نہایت مفید ٹریکٹ ہے۔ اس میں انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے حضرت مسیحؑ کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ آپؑ نے بڑھاپے تک لمبی عمر پائی تھی۔

جملہ خط و کتابت بنام:

مکتبہ الفرقان - احمد نگر ضلع جھنگ ہونی چاہیئے

ضروری اعلان

اس دائرہ میں اگر علامت "×" درج ہے تو مہربانی فرما کر اپنے بقایا کی ادائیگی کی طرف فوراً توجہ فرمائیں۔

خادم
ابو العطاء

(طابع وناشر ابو العطاء نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان احمد نگر سے شائع کیا)